

ایک کہانی

پیش کشنده خانہ علم و ادب، دہلی

کہانی

تعارف

صفحہ

۳	جناب صادق الخیری ایم۔ اے۔ دیوبند	پیش قسط
۶	جناب مولانا نیاز قسطنطینی	پہلی قسط
۱۵	جناب سید علی عباس حسینی صاحب	دوسری قسط
۲۲	جناب ل۔ احمد اکبر آبادی	تیسری قسط
۳۵	جناب سید سجاد مدنی صاحب قیدیم	چوتھی قسط
۴۵	جناب سید قیاز علی صاحب تاج	پانویں قسط
۶۰	جناب خان بہادر حکیم احمد شجاع	چھٹی قسط

ایک کہانی

چھ اڈیوں کی زبانی

آل انڈیا ریڈیو، لکھنؤ کی امانت سے
 کتب خانہ علم و ادب ہبی
 ۱۹۴۳ء

پیش لفظ

خاتمہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے ایک روز کراچی سے واپسی پر ریلوی سٹیشن پر ایک نگارہی ٹارگٹ جس میں ایک انسان کا پلاٹ اور یہ تحریر تھا کہ اس پلاٹ پر انسان کو ٹھکر بیچ دو۔ ہر حالات ہوئی تو معلوم ہو گیا کہ اس پلاٹ پر مختلف خاندان نگاروں سے اٹھانے لکھوائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس سال جو ساقی کا انسان بزرگ شائع ہوا تو اس میں بھی حدت تھی کہ ایک پلاٹ پر مختلف حضرات نے اپنے اپنے رنگ میں انسان نگارہی کا کمال دکھایا۔ اردو میں یہ ایک اہل نئی چیز تھی جس کی شے والوں نے خوب داد دی۔ دوسرے سال "انسان بزرگ" کے لئے ایک اور تجربہ تو جن میں آئی یعنی پلاٹ ایک ہی ہو مگر اس پر جہاں انسان لکھا جائے اس کی شکل میں کئی انسان نگار حصہ لیں۔ انوس ہے۔ یہ تجربہ چند روزہ کی بنا پر عملی جامہ نہ پہن سکی۔

یہ تجربہ ابھی تک زیرِ غور تھی کہ معلوم ہو انکھنور ٹیٹو اس قسم کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ہے جو نئی میں ختم ہوا گیا۔ انہیں کہا جاسکتا کہ یہ لکھنور ٹیٹو پلاٹ کو خود ہی تجربہ کر دیا تھا اور ان حضرات کو جنہوں نے اس میں حصہ لیا اس کی شکل کی وجہ سے۔ یا پھر شعور کو اختیار تھا کہ جس طرح چلے پلاٹ بنا سکتا جائے۔ خاتمہ دوسری صورت ہوئی ہے۔ اسی لئے آخری قسط پہلی قسط سے حدودِ انسانی انکھنور ٹیٹو اور وہ کچھ بڑی عظمت ہے۔

پہلا رب اور ایک کہانی انسانوی ادب کا ایک نیا نسخہ ہے اور چکر اسے اپنے شیعہ دلوں نے کیا ہے اس لئے اس حدت پسندی اور ہمارے انسانوں کے کام میں ایک چھوٹا انسان کر کے کامیاب آن ہی کے سر ہے۔

پہلا رب اور ایک کہانی "ایک لکھنور انسان ہے جسے کل کر نیوے شہید اور رب اور موت انسان نگار ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی قسط اس کی انسان نگارہی کا تجربہ نمونہ ہے اور آپ اسے بڑھ کر آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسان نگارہی میں کیا حیثیت رکھتا ہے جب آپ اس انسان کو ایک نشست میں بٹھیں گے تو آپ پر ان وہ جانیں گے کہ نیاز کی ابتدا کو مل جائے مین کے کسی عمر کی سے بچایا اہل۔ اچھے اسے بڑھا کر کھٹے کبھی عجیب کوشش دی ہے۔ پھر آپ ملاحظہ کریں گے کہ قیدم رحمان کو بہت آہستہ آہستہ اس سارے پر آئے ہیں اب وہ اپنی انسانی عظمت کو دیکھ کر کی جواب دیتی ہے۔

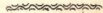
پانچویں قسط میں ایک نئی چیز ملے گی۔ نیاز، مین، مل، احمد اور قیدم جو کہ کچھ بچے ہیں۔ انہی اسے ملنے ملنے سے باور دلا کر لکھنے کی کوشش کرنے میں سب سے پہلے ایک کچھ بزرگ انسان نے قریب دیا ہے جسے بڑھ کر آپ کبھی نہیں گئے اور کبھی نہیں گئے۔ مزارعہ بزرگ صاحب کی جو وضع قسط اور کہ طبعی وجہ سے آپ نے آغاز میں دیکھی تھی یہاں وہ اپنی منتہا پر پہنچتی ہے اور ان ممکن ہے کہ موقع پر آپ بغیر جتنے وہ ممکن لیکن فوراً ہی مصنف قسط کو سنا کر اٹھتا ہے اور کہ اپنے سلیقہ سے کہ طبیعت نگار پر آدہ ہوتی ہے۔ انسان کو ختم کرنے اور بہترین کوششوں سے نجات دلا کر سب سے پہلے کہیں ایک صورت تھی اور وہ اس میں کامیاب

جو کہے ہیں۔

اردو کا مشہور دارالاشاعت المکتب خانہ علم و ادب دہلی ہمیشہ شائقین ادب کے لئے نئی اور عمدہ چیزوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ ساقی کے ایک چارٹرڈ مختلف اصنافوں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے بعد یہی ادارہ کوشش تھا کہ چھاپوں اور ایک کہانی بھی شائع کرے۔ چنانچہ اس کے ہضم سید و منی اشرف صاحب حصول کا اجازت کے بعد اسے چینی کرتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ بہت انفرادی کے سخن ہیں کہ انہوں نے ان ہنرانی پاد کو جوائزائے ہستی کی طرح عناصر قدرت میں چاہے تھے پھر کے سے زندگی بخشی، ایسی زندگی جو اردو ادب میں انہوں نے کی ان کڑیوں کے دوام کا باعث ہو گئی +

۱۰ اگست ۱۹۷۱ء

صداق الخیری دہلی



پہلی قسط

(از مولانا نیاز فتحپوری)

مذہب اسلامی بیگ کی کوئی چیز نہیں ہے وقت فیر مولیٰ پہلی پہلی زہری قحی اس وقت سناٹا ہے ایک سہا ہوا سناٹا لوگ باہر کو بھڑک رہے ہیں۔ ایک بالکل دوسرے باتوں، نوکر چاکر یا کمرے ہیں۔ مگر نہایت آہستہ آہستہ مزاحمتی کا بعض دوست باہر مردان خانے میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن خاموش رہ رہ کر وقت ایک آگیزہ قحی چڑھا بیگ لئے ہوئے زمان خانے کی ڈھونڈ سے باہر نکلتا ہے اور سب لوگ اس کی صورت دیکھنے لگتے ہیں۔ کوئی گھبرا کر گڑھی سے اٹھ بیٹھا ہے۔ کوئی صباب ہو کر اس کی طرف چل پڑتا ہے اور کوئی اپنی جگہ سے کھینچ کر رہ جاتا ہے لیکن بول کوئی نہیں۔ اس کو چھو بھی اڑتا ہوتا ہے اور اس کی موٹی موٹی جھڑکی کی شکلیں تیار ہیں کہ وہ کوئی انجلی خیرستان کے لئے آؤ وہیں سناٹا سناٹا بیگ والا لنگے زبیں تھبہ کے ان چند معززین میں سے تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایک دفع ایک ایک خان سے ہرگز وی اپنے اخلاق کے لحاظ سے وہاں لوگوں کی یاد گار تھے جو انسانی ہمدردی کے مقابلہ میں تمام ذاتی اغراض کو بھلا دیتے ہیں اور دوسروں کے لئے تکلیف اٹھانے میں خاص زہت اور سرت محسوس کرتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ جس وقت لوگوں کو ان کی بیماری کا حال معلوم ہوا تو سارے قصبہ میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی اور پھر شخص حکومت نظر آئے گا۔ مات کو سب سمول فریے تک دیوان خانے میں جیسے رہے وہیں احباب کے ساتھ کھانا کھایا باتیں کرتے رہے

لیکن جب آدم کرنے کے لئے اندر جانے لگے تو فضا پاؤں لاکھڑائے اور
دبوش ہو کر گر پڑے۔ ان کے ایک دوست نے جو قصبہ کے مشہور طبیبوں میں
تھے دیکھا اور غلغلا کا اثر قبول کیا۔ اس وقت موٹر لگا کر ہی ادا ہو گیا تاکہ راتوں
رات سول سرجن کو اپنے ساتھ لے آئے۔

اس وقت زمانہ غائب سے باہر جو انگریز نکلا وہ بھی سول سرجن تھا جسکی
دیکھ کر ہر شخص ہر تن سول میں گیا تھا اور جب اس نے یہ ظاہر کیا کہ غلغلا کا حملہ
براہ راست غلبہ پر ہوا ہے اور زندگی کوئی امید نہیں ہے تو ہر شخص کا کلیجہ
دھک سے دھک رہ گیا۔

مذاہب کا مذاق اڑاتے تھے لیکن ان امیروں کی طرح نہ تھے جو اپنی ساری عمر
اس کو شش میں صرف کر دیتے۔ ہر ایک باپ دادا کی دولت کو کیونکر ضائع کیا ہوتے
آجوں نے نہایت فراخ دلی سے خاندان کے ہر شخص کی خدمت کی اور اپنے
اور اپنے عزیز والد کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر ہمیشہ بیدار رہے اور یہ صرف کہا
اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے ان سے کوئی مدد طلب کی ہو اور انہوں نے انکار
کر دیا ہو۔

ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور اب ان کے صرف ایک ہی لڑکا
تھا جس کا نام سعید رکھا تھا۔ اس نے ظاہر ہے کہ اس کا تعلیم اور تربیت
کیلئے انہوں نے کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ لیکن انہوں نے کہ وہ کچھ نہ کھلا مذاہب
پر غرضاتی وطن کے بزرگ تھے اور قدیم مذاہب کی روایات کا احترام کرتے تھے
لیکن وہ جدید تعلیم کو بھی ضروری سمجھتے تھے اور نئی کی نئی باتوں کا پیشہ
بہت خدمت سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پہلے اپنے بیٹے کو فارسی کی تعلیم
قدیم تعلیم و روای جو صرف خاندانوں میں ملتی تھی۔ لیکن اسے اس میں اور ترقی دینا

سے آگے ان کے ذہن نے اور ہی نہ دی اس کے بعد مذاہب نے انگریزی تعلیم کا
انتظام کیا۔ لیکن مذاہب کی انجمنی کوشش کے باوجود وہ کسی جامعیت کی ریزہ
سے زیادہ نہ بن سکے۔ ان کی تعلیمی سیلان کچھ نہ کرنا تھا اور یہی کر کے انہوں نے
دکھلایا۔ انہیں ایسے لوگوں کی صحبت زیادہ پسند تھی جو ہم پیش میں مبتلا تھے
اور اسی قسم کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ ان کو بہ نسبت شہر کے جنگل اور
بہشت آدمیوں کے جانوروں سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کا وقت زیادہ تو مردان
غلتا ہوا اور شکستہ مقبروں میں بسر ہوتا تھا ان کے جاہل دوستوں نے
انہیں اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ پہلے ہی قابل ہوئے ہیں انہیں پڑھنے لکھنے کی کیا
ضرورت ہے اور مزاجی آخر سعید سے اسی نے بہت ناخوش ہو گئے تھے اور
انہوں نے اپنی جائداد میں ان کو کوئی ایسا اختیار کر دیا تھا جس کا علم ان کے سوا
خاندان کسی کو نہ تھا۔

مذاہب کی دنیا تو وہ ہی پرانے لوگوں کی سی تھی۔ بڑھی ہوئی دارالحیثیہ
کھائی ہوئی موٹر، شہر حصار اور چیت اگر کھلا دھوپ یا آسمان، لیکن سعید
کی صورتہ وہ جس کے بندہ واریت کے لحاظ سے کہ اور بھی۔ لائی ڈالھی، اونچی ہانہ،
کمر انما ساڈ اور ڈی جوت اس میں کہ فرق کچھ باپ بیٹے کے اخلاق میں بھی تھا۔
پچھلے لوگ عیسوی تو کہتے تھے کہ مذاہب نے کسے تھے۔ مذاہب کی ایک ہوا بھی تھیں جو
کسی خوبہ کھانے میں یا ہوا بھی تھیں لیکن بعد کو جب وہ بیوہ ہو گئیں تو انہوں نے
تہہ ہوا کھانے لڑکی رکھانے کے اپنے ہی پاس بکایا مذاہب نے بہت کوشش کی
کہ وہ جائیداد میں سے بہت کاوشہ الگ کر کے ان کے حوالہ کر دی لیکن وہ مذاہب
اور اس کی مذاہب نے مذاہب نے اس طرح کر دی کہ کسی ہی میں رہنا نہ اور سعید کی شادی
کر دی۔ مذاہب نے سعید کی بہن کی بیکر رہنا نہ کی تعلیم کا بھی کچھ انتظام کیا اور کچھ

سید کے زچہ کا احساس نے انہوں نے چاہا کہ زمانہ سب کچھ چڑھے۔ چنانچہ شرعی علوم کے ساتھ انگریزی کی بھی تعلیم اس نے کی اس وقت تک نصرتی کی رسم عمل میں نہ آئی تھی۔ کیونکہ مزاجی کا خیال تھا کہ پہلے زمانہ کی تعلیم کا پورا ہونا ضروری ہے لیکن قدرت کا انتظام بھی کس قدر عجیب ہے کہ مزاجی کی یہ تہذیب اور زندگی دونوں ساتھ ساتھ پوری ہوئیں۔

زمانہ سید کی پہلی نازدیکہ بہن بھی تھی۔ غیر تو حق نہیں کہ یہ وہ کہتی رہیں چونکہ مزاجی خاص مصلوں کے انسان تھے اور انہوں نے ابتدا ہی سے اس کا انتظام کیا تھا کہ زمانہ اپنی ماں کے ساتھ بطور مکان میں رہے اس لئے سعید زمانہ کو اس وقت تک ایک دوسرے کا دلگے بیٹے کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ چہ جائیکہ تباہ و تباہ خیال کہ اس کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

زمانہ کی عمر اس وقت ۲۰ سال کی تھی اور سید کی چوتھیں سال شکل و صورت کے لحاظ سے دونوں بڑے نہ تھے قریب قریب ایک سے تھے۔ لیکن مزاج کے لحاظ سے دونوں میں بڑا اختلاف تھا سعید نہایت دیکھا سے انسان تھے اور مزاج کو سلاطین و دربار پرست و نہایت اور انتہائی بااوس انا خاں سے کیا کرتے تھے۔ وہ ہر باپ کے بیٹے تھے جو امت و دانش چاہتے تھے کہ سیکھتے تھے لیکن لوگوں نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ یہ قدر تیزی کے ساتھ وہ سادہ زندگی بسر کر چکے آتھی ہی زیادہ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا اور زندگی سب سے بابت تہذیب و تمدن سے وہ جس قدر دلگے رہیں گے ان کا مزاج زیادہ وہ دیر سے قریب ہوتے جائیں گے چنانچہ انہوں نے اپنی صورت و وضع کو اس قدر ڈھونڈنا یا سمجھا دیا تھا کہ وہ دیر سے دیکھ کر لوگوں پر ہیبت پیدا ہوتی تھی اور سیرت کے لحاظ سے ان کی حالت بالکل ایک

ایسی خشک کڑی کی سی تھی جس کے جھکانے میں ہر وقت اس کے ٹوٹ پانے کا اندیشہ ہو۔ پھر اگر یہ سب کچھ فطری سادگی کے ساتھ ہو تا تو بھی چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ ان تمام باتوں کی نگرانی بھی زیادہ کرتے تھے۔ اور اس نگرانی میں کہ ان کا پنہا ہوا کوئی مرض خفیہ ہی ہے۔ جیسے دوسروں کو ضرور شاکر ہو چکا ہے۔ وہ جس وقت گھر سے باہر نکلتے تو آئینہ میں دیکھ لیتے کہ ان کے بال کتنی اچھے ہوئے ہیں یا نہیں۔ صاف کھانچ میں استخوانے کا دل غار کرتے والی برتنیں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ وہ اس کو بھی پسند نہ کرتے کہ ان کا جوڑ جوگے پیر کے کاہنے کی اوپر سے زیادہ خاک کا وہ جوہر تھا مانت رکھا جاسے۔

زمانہ کی یہ مرضی بھی نہایت ہی خاندان میں ہوتی تھی جس میں سعید کی لیکن نئی تعلیم نے اس کے ذوق کو بھی سے باطل خلعت کر دیا تھا وہ یقیناً عالم تسلیم یافتہ اور توں کی عظمت و بیک اور آزاد تھی۔ لیکن یہ مرضی کوئی بھی نہ تھا کہ اس صورت میں اپنی سستی مرو سے بطور دیکھتی ہے اور وہ صورت مرد کے سہارے اندھوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوتی۔ وہ غریب کو بھی کالی احترام میں دیکھتی تھی وہ قدر بنا ذاتی روا دات کی بھی عزت کرتی تھی بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری بھی اپنا فرض سمجھتی تھی۔ لیکن اطاعت و فرمانبرداری کے درمیان جو خفا حاصل اس سے کھینچ رکھا تھا اس کا تعلق بڑی حد تک ذاتی خودی اور اسے دشمنی کی آزادی پر منحصر تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ انسان کو دنیا میں چہ بختی ہی پہلے سے اور بد بختی کی آزادی بسر کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا اور اس کا فرض ہے کہ زمانہ کا ساتھ دے اور تمام ممکن و ہنسی زرقوں سے فائدہ اٹھائے۔

اس کی وہ نصیحت و نصیحت میں غنی تعلیم کے کوئی خاص تہہ نہ ملتی پیدا نہیں کی گئی۔
 لیکن وہ اس مسئلہ کو بھی اس غلط فہم سے بچتی تھی کہ اگر غرض و نفسی انسان کے
 اخلاقی پردہ کی پوزیشن نہیں ڈالنی تو وہ یقیناً بھی چیز ہے۔ پردہ کا مفہوم اس کی
 نگاہ میں صرف نسائی خودداری تھا۔ وہ گھر ٹھٹھانے، مصلحتی چلن، اوٹ
 اور گھر کی اونچی اونچی دیواریوں کی زیادہ مائل نہ تھی کیونکہ اس کے نزدیک یہ تمام
 باتیں محضت کے اعتقاد کو جھین لینے والی ہیں اور ان کی وجہ سے اس کو کبھی یہ
 سمجھنے کا موقع نہیں ملتا کہ ان چیزوں سے بطور ہر گز وہ کیا ہے اور دنیا میں
 اپنی وقعت دوسروں سے تسلیم کرانے کے لئے اسے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ تو پرست
 نہ کرتی تھی کہ صورت ہے پردہ ہر گز سوسائٹی کی عام حکمت میں نہ ملے۔ لیکن پردہ کے
 اندر وہ کردہ نسوانی محضت کو صورت کے لئے کوئی حصہ اختیار نہیں کرتی تھی۔
 تعلیم کے دوران میں بار بار یہ بات اس کے کانوں میں پڑتی کہ سیدہ پسند
 نہیں کرتے کہ وہ اپنی تعلیم کو جاری رکھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے باپ
 سے کہی اور وہ ان زمان سے شکایت بھی کی۔ لیکن خیراتی ایک فیصلہ کر چکے تھے اور
 وہ ان لوگوں میں نہ تھے جو کوئی فیصلہ کرنے کے بعد اس سے ہٹ جائیں خواہ
 وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے ریحانہ کی تعلیم باہر جاری رہی اور اس طرح
 سیل سیل کے بعد میان ایک قسم کی اہمیت پیدا ہوئی نہ رہی۔ گو عقلی زندگی میں
 اس کے تجربہ کا موقع اس وقت تک نہ ملتا تھا۔

(۲)

مذاہب کے اشتغال کو وہ ہونہ کا زمانہ گذر گیا اور تمام جائیداد کا انتظام سیدہ
 کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ریحانہ جو مستور اپنی ماں کے ساتھ بطور مکان میں

رہتی تھی اور چونکہ سیدہ کی طرف سے نصیحت کی کوئی تحریک نہیں ہوتی تھی اس لئے
 وہ بھی خاموش تھی۔ تاہم آنا سفر و جاتی غنی کی ایک نایک دنیا پر وقت آنے لگا
 اور ہر سکتا ہے کہ اس وقت جو شرانگہ چیش کی جائیں وہ اس کے لئے قابل
 قبول نہ ہوں۔ سیدہ کی دنیا سب کا سیدہ کی ایک خیر مریدانہ کی والدہ کے پاس تھی۔
 جس میں کچھ احکام و ادرم جرم کے اشتغال کے بعد چار تیار کے جھگڑوں میں پھنسا
 رہا ان کے حاضر کی کامیابی نہ ملتا۔ میرے آپ کے دیوانہ عداوت چھوڑتی اور مجھے بچنے
 کے بعد دوسرا حلقہ قائم ہو چکا ہے اس کی اہمیت میں کچھ گہنا چاہتا ہوں۔ لیکن
 آپ سے نہیں آپ کی صاحبزادی ہے اس لئے میں اس گفتگو کے لئے آج
 میری کو حاضر ہوں گا۔

ریحانہ کی ماں تو مختصر ہی نہیں انھوں نے کچھ بھیجا کہ تیار ہا گھر ہے جو وقت
 چاہو آ جاؤ اور وہ خط ریحانہ کو دے دیا۔ ریحانہ یہ خبر سہارے کھینچ کر بیٹھ گئی
 اور سوچنے لگی کہ وہ کیا گفتگو کرے گی اور اسے کیا جواب دینا چاہئے۔
 اس نے سیدہ کی ذہنیت کو سامنے رکھ کر جس کا کافی علم اسے ہو چکا تھا خود ہی
 ان تمام اعتراضات پر غور کیا جو ان کی طرف سے کئے جاسکتے تھے اور خود ہی ان
 کے جوابات سوچے یہاں تک کہ سارا دن اسی اٹوٹھرتی میں گزرتا گیا اور آخر کار وہ
 ساعت آگئی جس میں اس کی زندگی کا باطنی تیار ہونا آشکار ہوا تھا۔ ریحانہ
 خوب صورت تو تھی لیکن دلکش نہ تھی۔ صرف اعتقاد کا تناسب اور یک سب سے
 درست ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ دل پر جو چیز اثر ڈالتی ہے وہ صرف انسان کی
 خوش آوازی ہے اور اس میں کام نہیں کہ وہ اپنی ساوہ مگر حقیقی معنی میں نہایت بکار
 ادائوں کے لحاظ سے بہت طبع معمولی چیز ہے۔ اس نے سوچا کہ سیدہ کے سامنے
 کون اس وضع و لباس اس زیادہ کش و آوازش اور عشوہ واداکے اس اہتمام

کے ساتھ آنا چاہیے کہ جو ان کے لئے درود کا قابل ہوا اشت ہونگا اس شخص کا
 انتہائی نادر ایک پہلو اس کے سامنے ایک بار جائے اور اسے اپنی آئندہ
 زندگی کا رہنما بنھیں کہ جسے آسانی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ہارکے ساتھ
 رنگ کی بیٹی ساری بیٹی جس سے اس کا جسم چھٹکا تھا اور جس کے ماضیہ
 کی بہل مختلف ہندوں کی شخصوں سے بنائی گئی تھی۔ وہ یوں تو روز سیدھی
 رنگ کا تھی تھی لیکن آج اس نے بیڑھی، رنگ نکالی۔ اندر اہستی طرف
 پیشانی پر اسے بالوں میں گھونڈ کر چھپا کر کے انھیں ہلکے
 تھکا سب کہ قطعاً پیشانی ان سے چھپ گئی۔ ہر سہرے پاؤں
 بھی لگا ہوا، ہاتھ، لب و لہجہ پر شرمیلی تھی لیکن اب ایک روشنی موزوں پرچم
 بھی وہ پہنا جس میں سوائے وہ چار تھوں کے کوئی ہر سہرے پاؤں کی جلد کے
 رنگ کو چھپانے والی نہ تھی۔

انفوس سید کے لئے وہ ہر حق جنت کا وہ درخت بن کر رہ گئی جسکے
 پھولوں کی آوم کو ماضی کی گئی تھی۔ جس وقت اسے اطلاع ملی کہ حضرت
 تشریف لارہے ہیں۔ اس نے گرامو فون پر ایک انگریزی ریکارڈ چڑھا دیا۔
 اور ہاتھ میں ایک انگریزی ٹول کے کرچھو گئی۔ دروازے پر کسی نے دستک
 دی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے قہراً آبرو کی تاکہ اس نے مالے کو علی
 ہو جائے کہ گرامو فون پر ریکارڈ چڑھا تھا وہ انگریزی گانے کا تھا۔ جب
 سید کی بار دروازہ کھٹکنا چکے تو ریکارڈ نے گرامو فون بند کر دیا مین پر کتاب
 پڑھ کر کھڑی اور دروازہ کھول کر ایک ایسی گانا دے جس میں انتہائی
 تکلف کے ساتھ نرمی اور مشیر بنی پیدا کی جاتی ہے سید کا اندر تشریف
 لانے کی دعوت دی۔ سید ریکارڈ کے اس مختصر لیکن عرصہ پر تکلف

کرت میں جہاں میزوں، کرسیوں، روشنی پرندوں، ٹھکانوں اور تھوڑی
 کے سوا کچھ نہ تھا، داخل ہوئے۔ لیکن داخل اس طرح پیچھے چڑھ کر
 کرنے ہوتا ہے۔ دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلا
 صدمہ تو یہ ہوتا ہے کہ کمرے کی ساری فضا انگریزی عطریات سے بسی
 ہوئی تھی اور ان کا شامہ جو صرت لوہان کے ڈھونڈ کا عادی تھا
 اس قدر بے چین ہو کر بے اختیار ہوا کہ وہ بال ناک ٹکس پیچ گیا۔
 اس کے بعد ان کی نگاہوں نے ایک سرسری جائزہ دوسری
 چیزوں کا بھی لیا اور وہ کچھ ایسا محسوس کرنے لگے کہ ان کا دم گھٹتا
 جا رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

بجائے اس کے کہ ریکارڈ ان سے خطاب کرتی خود ان کا جی یہ
 چاہتا تھا کہ مشرک اسے چھپا لیں۔ یقیناً وہ دل میں بہت برہم ہوئے
 لیکن ساتھ ہی ساتھ مرعوب بھی اتنے تھے کہ ان کی ہر نئی حیرت میں
 تبدیلی ہو گئی تھی اور وہ سوہا رہے تھے کہ ان کو تو میں آگیا ہوں
 لیکن ایسا نہ ہو کہ کوئی مجھے یہاں سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لے۔
 انھوں نے دروازہ کے اندر آتے ہی دیکھا کہ فرش پر روشنی تالین
 بچھا ہوا ہے۔ اس نے بے اندازہ ہی پر حیرت اُٹا دیا چنانچہ جڑت
 یہ آواز کاؤں میں آئی کہ یوں ہی تشریف لے آئے تو وہ چہرے اور
 آگے بڑھے لیکن بالکل بے اختیارانہ اور بڑھ کر دم کسائی کی گرتے
 کسی پریشہ گئے۔ لیکن اس لمحے کو ان کے مقصد و ارادہ کو اس میں
 کوئی دخل نہ تھا۔ ریکارڈ نے اسے گردن تھکا کے بیٹھی تھی۔ لیکن کھڑکی
 سے وہ ان کی حرکتوں کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔

سید یہ تو جانتے تھے کہ ریحان نئی تعلیم اور نئے زمانہ کی صورت ہے لیکن
یہ بات ان کے دہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس کا گھر بہت غنا ہے اور
وہ خود ایک بہت ہے۔ جس پر شک و شبہ نہ ہو گا اسے غالی نہیں فقط۔



دوسری قسط

رازیہ علی بی بی (۱)

(۳)

ریحانہ بظاہر تو سید کی گھبراہٹ سے غفلت سے رہی تھی اس لئے کہ اس
کے غلامیوں پر شکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لیکن خود اس کا دل بھی بیوقوف
آپ بھل رہا تھا سید اس کے کمرے میں آتے پہلے پہلی شوہر کی حیثیت سے وہیں
ہوئے تھے۔ ریحانہ کو معلوم تھا کہ ہمارے اس آئینہ دیکھیں میں بیوی کا درجہ
بانڈی سے کچھ بھی برتر ہے۔ بیواہ کے وقت لڑکی والے دو لٹھ سے چاہے لاکھ
بار کہہ لیں کہ بیوی میں تیرا غلام ہوں، لیکن دو لٹھ اول ہی دل میں یہ ضرور
کستا رہتا ہے کہ بیوی آتے سے تو میری کوئی ٹیڑھی۔ چنانچہ یہی ٹیڑھا جس کی وجہ سے
ریحانہ کا دل دھڑک رہا تھا کہ صورت بھی بڑھی تھی بھگدڑ اور سید کے سامنے ہی
قبر پر کھڑی اس لئے اس نے اس کو دکھا کر نہ ہونے دیا۔ بلکہ چہرہ سے یہی معلوم
ہوتا رہا کہ وہ ان کی ہر بات پر ہنس رہی ہے اور ان کا مذاق اڑا رہی ہے۔
سید بھی ریحانہ کی اس مسکراہٹ سے ابھی بے وقافتہ تھے۔ عرصہ چھپوں
مہینہ انھیں اس مسکراہٹ کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور ہر مرتبہ شکست کھا کر اپنی
تھی وہ جانتے تھے کہ وہ اس قسم کی مسکراہٹ ہے جو جو بیوا کو بچنے کے لئے نکلتی
ہی کے چہرہ پر پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے یہاں گھبراہٹ کے
ساتھ ساتھ ایک سرسبز بھی پیدا ہو گئی تھی۔

کہتے تھے کہ ان کے بعد بھائی بھی تھی ہوئی گھبراہٹ گھبراہٹ کی دھماکی
 دے گی لیکن یہاں در بھائی کے چہرے سے بھائی گھبراہٹ کے اظہار نہ ہوا۔
 بھائی غفلت کے غور اٹھادی دھماکی دی اور بھائی کے قدم کے طنز کے آثار نمایاں
 ہوئے۔ جنگ میں قتال کی ہر آسانی کو فراموش کر کے طبیعتوں کو ہار دینا دیتی ہے۔
 اور مقابلہ کا اطمینان دلا دوسروں کے دل میں بھی ڈر پیدا کر دیتا ہے یہی حالت
 سید کی بھی تھی۔

در بھائی کی طبیعت بھی شکراہٹ اور غفلت سے ملتی ہوئی آنکھیں دھجکا رہی
 اس قدر عجب ہوئے کہ انہوں نے اپنی آنکھیں جلدی سے نبھ کر لیں بلکہ
 اپنے پاؤں پر چلیں۔ ان میں وہی کچے جھبے والی حالت تھی اور
 یہ غرض وضع اور منتی پاؤں پر بھی اتنی ایک نفیس نے لپٹی تھیں یہی اس وقت
 سید کی جہیز اور نہ چاہتا کہ سید کو خود بخود ایک پٹنی ہی محسوس ہونے لگی۔

انہوں نے پہلے تو ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ دھک کر توں کی گندائی اٹھایا
 چاہی۔ پھر در بھائی کی طرف ٹھیکوں سے دھک دھک کر جھوٹ کو آہستہ آہستہ ایک
 دوسرے سے گڑنے لگے۔ کوشش یہ تھی کہ خوشی بہت گراہی کی کر کہ وہ جھلنے
 لگا اس حرکت سے غرض کی کیا گت بنے گی۔ اس کا خیال نہ تھا در بھائی کے دل میں
 ڈرنے سے اس فیصلہ پر پہنچنے پر مجبور کیا کہ غرض اور منتی یہی تھی اور نہ یہی
 ہے اور اس کی سب سے بڑھ صورت یہی ہے کہ سید کو اس وقت سنجیدگی سے
 بات چیت کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اس نے ہی نے ہی کی گھبراہٹ سے فائدہ
 اٹھایا اور ایک ہلکی سی سکراہٹ سے کہہ دیا۔ "یہ تو کی ناک آپ بھائی نا پاتے ہیں
 تو میں کوئی ڈسٹر لاؤں؟"

سید کی وہی حالت ہوئی جو اس چور کی ہوتی ہے جو چوری کرتے پکڑ لیا

جائے پہلو تو گھبراہٹ کی تھی۔ اس کا ہنر سنبھل کر بے "بیر نفیس" ارجحان نے گویا
 اس جواب کا آخری ہندہ خستہ کر دیا۔ وہ ایک اور اسے خاص سے اٹھائی اور
 اوٹ کے پیچھے کمر کا فریج بھانسنے کے بعد ستر بڑی دھڑکیں بھلا ہوا کھٹکا
 کھال لائی۔ اس آنے جانے میں شکل سے آہستہ لگا ہو گا لیکن سید نے اتنی
 دیر میں کئی بار پہلو دے اور باجائے کے پانچوں سے بہت دھک ڈسٹر کا کام
 لیا۔ در بھائی کو انہوں نے واقعی ڈسٹر اتار میں نے چھٹنے دیکھا تو پسینہ پسینہ ہو گیا۔
 گندے پر چڑے ہوئے پہلو والے سے نہ تو کچھ کہہ سکتے تھے نہ آپ نے کی۔

کیوں نکلتی کی۔ م۔ م۔ مجھے تو اس کی کوئی مانت نہیں۔
 در بھائی نے ان کے چرووں کی طرف تھری۔ انہیں پانچوں سے بہت کچھ صاف
 کر دیا تھا۔ پھر وہ ایکس کی ہنسی کے ساتھ سید کے رومال کی طرف اشارہ کر کے
 بولی۔ کیا آپ ایک ہی رومال سے جوتے اور دستہ دونوں صاف کر لیتے ہیں؟
 سید نے سمجھا شاید منہ میں اٹھی بھری تھی۔ انہوں نے گھبراہٹ انہوں سے چہرہ
 پر لکھا تبصیل اور انکھوں کو دیکھا ان میں سوائے پسینہ کی تھی کے کوئی چیز نہ
 دکھائی دی۔ تو کھلا کے سادگی سے ہونے لگے نہیں دیکھے۔ "در بھائی نے ہنس کر کہا
 یہ سید نے کب کہا آپ کے منہ میں کچھ لکھا ہے۔ میں نے تو آپ کے اٹھارے رومال
 اور پچھلے جوتوں کو صاف دیکھا آپ سے یہ پوچھا کہ کہیں آپ جوتے اور چروا ایک
 ہی رومال سے تو صاف نہیں کرتے؟"

سید کی ہنکراہٹ حد سے تجاوز کر گئی۔ ان کی کھم میں نہیں آیا کہ سوال
 کا جواب کیونکر دیں۔ انکار کرنے میں ڈر تھا کہ پانچوں کا ذکر ضرور کرنا پڑے گا۔
 انہوں نے پانچوں کی گندگی چھپانے کے لئے انکھیں ایک دوسرے میں
 اٹکھائیں پھر جلدی سے ہوئے۔ "انہیں تو اس پاس در بھائی کے موٹی سے منہ

پچھلے برس چھٹے دینار، سیدہ کوئی غیر بھی تو دسٹے حقیقی پہنچے تھے اور انھوں نے اپنی ساری زندگی بھائی اور بیٹے ہی کے لئے ہی دینی فکر میں مشغول رہے کہ وہ ان کو بھی ناو پیا لڑا ہوتا ہے۔ اور کتبہ ریحانہ کی اس کچھ بوسوں تو اسٹیشن کھول تھا جس طرح کانٹوں کے درجہ بھائی مرزا سادق بیگ کے بیٹوں تھا۔

مرزا صاحب کی خصوصیت تھی کہ وہ دوسروں کے لئے صلیف اٹھانے میں خاص لذت محسوس کرتے تھے وہی عظمت فخر کی کچھ تھی۔ ان سب سے بڑی نعمت سب سے بڑی آرزو اور سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ بھائی کی اولاد چھلے بھولے، شادا آباد ہے۔ اس میں چاہے اپنے پر چاہے اپنی دیکھی کچھ ہی کیوں نہ بن جائے۔ وہ کچھ نہیں کہ عورت جوئے کی کیفیت سے اس طرح کی تسکین دہانی کا کفر فرمے۔ ان کے نزدیک عورت کی فرض و عاید تھی نہ کو خوش رکھنا اور اس کا کھر سبہ بھانا۔

وہ اس کے غلامت نہیں کہ عورتیں موٹی موٹی کن ہیں ترہیں اور بڑی بڑی ڈاکو ہیں حال کریں۔ وہ کچھ نہیں کہ ہیں تو کر لیں نہیں کہ انہیں اندر مردوں کو سلامت رکھے، یہ اس کے کام ہیں۔ ان کے نزدیک علم کا مقصد صرف لوگیاں ہی حاصل کرنا تھا۔ وہ اس کے دوسرے ناؤں دس سے سنا نہیں تھیں۔ ان کے نزدیک تو حقوق کے پڑھنے لکھنے میں نقصان ہوتا تھا۔ وہ کچھ نہیں کہ عورتیں پڑھ لکھ کر فضول خرچ ہو جاتی ہیں نہ اپنے بڑوں کا دل بے کرتی ہیں اور نہ شوہر کی کھچت ہیں جناب چار حرف پڑھ لے اور نہ پھر گیا۔ کچھ بھی اہل شریف لڑکیاں خاص ہی پڑھ لکھنا پسند کرتی ہیں۔

ان کا پسند ہوتا تھا کہ بھائی بھائی نہ پڑھ لکھی ہوتی۔ وہ تو بھائی کا کھر تھا اور فخر کی شریعت میں پڑھ لکھنا بھائی کا کھر باپ کے علم سے بہرہ بردار احاطہ میں آتا تھا۔

غیر میں داخل تھے۔ بھائی کے علم سے سرتابی نامکن تھی۔ اسی لئے ریحانہ کی تعلیم بھائی کی خواہش کے مطابق ہوتی رہی۔ لیکن اس کی تعلیم کی وجہ سے ریحانہ سے وہ جس قدر محبت کرتی تھیں اتنا ہی گھبراتی بھی تھیں۔ اس کے کونجی میں ریحانہ کا اور اس کی خوشی پر خوش ہونا اتنا کامیاب نہ تھا۔ اس میں وہ جو خوشی اپنی بیٹی کا کھانا کھا کر پانچ تھی اس کے ذہن کو اس میں شریک ہونا طبعی تھا۔ لیکن خیالات کے فرق نے ان کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار بھی بکھری کر دی تھی۔ ایک طرف پڑائی پڑائی کی رسموں کی پابندی پر اصرار تھا تو دوسری جانب نئے سے نئے نکلنے والے پرہیزگار، ایک طرف وہ پچھلے سیدوں کی گرفتار دنیا کو ہی پسند کرتے تھے تو دوسری جانب پابندیوں اور قیدوں کو شائے دلانی تھی تنہا رہ۔ ان اگر کچھ کچھ کہانی عورت کی کشش بھی میں ہے کہ وہ مرد کے پاؤں دھو دھو کے چہنے ذائقہ کچھ کہانی عورت مرد کی مال ہے اور محبت ہی کے پاؤں کے نیچے ہے۔ ان اگر ذہنی کچھ نہیں سید کی عزت کا چاہتے ہیں نہ بھائی کو یہ ہے تو کچھ ترقی سے جواب دینے کی آپ کا حکم سرتا انھوں پر لیکن جس حد تک نہ زیادہ چھٹی تھی۔ ہر سال اور عزت علم کی ہوتی ہے نہ کہ بھائی کی۔

پانچواں بیٹی کی کن خیالات تھے ان کو سید کا بٹا محنت طرف دار بنانا اور خلافت کچھ نہیں کہ ریحانہ بہت ہی اچھی ہے۔ سید کا اس کے ساتھ تھی سے اپنی آئے کاتی ہے۔ اور اسے چھٹی آنا ہی چاہیے۔ انھوں نے سید کو ریحانہ کے کمرے میں جانے سے پہلے لوگوں انھوں میں کچھ ایسی ہی کیفیت تھی کہ تھی۔ وہاں وہ چلے جاتی ہیں بہت ہی اچھی ہیں سوچ کے آتے تھے۔ چھٹی کی اجازت نے سوسے ہی سہاگے کو کام دیا۔ وہ بڑے بڑے اداس کے کمرے کے ریحانہ کے کمرے میں داخل ہونے لگے کہ شریعت کی خود شکریں لگے تھا اور ریحانہ کے چند ہی بھلوں نے انھیں

کے سے وہی شہسوار ہنگے دیا تھا جس نے ظہر بہت کو بھگا دیا ہے یا
آفتاب کی کہیں تاریکی کو۔ فقط۔

تیسری قسط

(۱) (۵)

جس وقت مسجد پر جانے کے پاس سے آئے تو چوبیسویں
انجمن پر حواس دیکھ کر کہنے لگی۔ کیوں یہی العیب و خشناس طبیعت تو ابھی پر؟
"ہاں۔ نہیں۔ چوبیسویں جاننا۔ مثلاً اذوقت تنگ ہو رہا ہے۔ ٹیکڑا ہٹ میں مسجد
لے جواب دیا۔
"تو میرا آفت پر صحتی بھیا ہے نہ اذوقت کے فریسا ناسٹن کر رہی ملی و غور تو آئے ہو؟"
جنگ کے لئے سمور واریج کی پانچویں ضروری چیز تھی۔ وہاں سے ہندو ولی لگی تھی
اور یہاں بیوی کی اذالت کا تجربہ سننے کی سوجھ بوجھ میں لے کر تھک چکا تھا۔ آج پانچویں ضروری
کھانا تو نہ مانگے دوں گی؟ اور پھر انا کو آواز دے کر کہا۔ "اگر وہی طبیعت و خشناس کو پانی
رکھ دے۔"

"تو کوئی جاننا وضو تو میرا ہے۔ مسجد کی نماز کا زیادہ ثواب ہے۔"
"نہیں۔ تو اب پھر کھا لینا ہے تو کوئی نہ ہو گا کہ نہ تھوڑے کئے بغیر چلا جائے۔ دوں؟"
"جست اچھا چوبیسویں جان میں مثلاً اذوقت کے آج جان کا کہتے ہوئے ہوا؟"
مسجد و از سے باہر نکل گئے۔ کہنے لگا کہ آواز دے تو طبیعت و خشناس کو فراموش
سے آ۔ مسجد یہاں ابھی آئے ناسٹن کر رہی تھی۔ یہ کہتی ہوئی کہ جانے کے کہنے کی
طرت چلی گئی۔ دوسرے میں سے بیٹھ پھیری آدھ وریجان کی طبیعت پر دو عمل خراش ہو گیا

"بات تو تجھیں کرنا چاہیے تھی بھیا۔ تم اس کے سیان ہو۔
 "بات کیا کرنا۔ ان کا تو میرا جو دوست کرانے کی سنگداری تھی۔
 "اللہ میرے بھائی کی کروت کروت پھول برسیں۔ پر جب بھی میں نے
 کہا۔ انھوں نے بھی کو پاگل بنایا اور اس سنگداری کی ٹوٹھائی جاری رکھی۔
 اُس نے میری بیٹی کی خوب چھائی۔ اب بیٹا تو چار کار کام لگے تو چند دن میں
 شعر جانے لگی۔
 "بیوی جان ان کو تو آپ ہی کچھا کھتی ہیں۔ میں۔
 "زیادہ میں تو کچھا ہی دیتی ہوں پر تمھاری ڈانٹ ڈپٹ اور پاپا انھوں کی اور
 بات ہے۔"

اتنے ہی سڑب کی آواز سن ہوئی اور سید آٹھ کھڑے ہوئے۔
 "بیوی جان میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی رسم بدل میں آئے۔ مگر اس سے
 پہلے چاہتا ہوں کہ آپ کی صاحبزادی بے خبری کا پتہ نہ ترک کر دیں۔ آپ پہلے
 انھیں سمجھا دیجئے کہ اگر انھوں نے بدلتی رہی تو میں کوئی دوسرا حشر نہ کھائیں
 کہ نہ پرچور ہو گا۔ یہ سنگداری بھی کے تو اس میں غلط ہو گئے اور سید بچے گئے۔
 راجہ نے ان کی چاہتی تو خود بھی یہی تھی مگر اس کے بھائی نے ان کو پس ایک آنہ جو
 کہہ سکتے تھے۔ بچپن میں بھی انھوں نے اپنی بات سنانے کے لئے نوکاز
 ہوئی تھی نہ کی تھی۔ اس پر انھوں کا وہ پیار کا اضافہ تھا کہ جب بھی ہاں سے
 راجہ کی شوخی شہادت کی شکایت کی تو انھوں نے ہنس کر ان شاء سے پکار کیا۔
 اب لکھنؤ غریب اس تردد میں مبتلا تھی کہ خدا کا راستہ اگر سید نے دوسرا کھن
 کیا تو خاندانی عداوت اور سوسائٹی کے قبضہ میں چلا جائے گا۔

سید جس وقت وہ ان خانہ میں جا کر بیٹھے تو انھیں شہیدہ آزاد تھی کہ وہ چاند سے
 بے کاف کی حکایات کہہ رہی تھی مگر اس کی ملاقات اور خبری کے بحث میں پانچواں مرحلہ
 ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی شکل تھی جس نے ان کا اہمیت طلب کمور یا تھا۔ مزرا
 صاحب کے انتقال کے بعد سے وہی آقا خیر آباد رہنے لگا تھا۔ آنے جاتے
 وہیں میں سید کے محل وصال کے وہم و غم تھے۔ پچھلے آنے جاتے وہیں میں
 سے کوئی۔ انھوں میں ان سید کا کچھ بیٹھے بیکار ہوا دیا بڑھا کرتے تھے۔ اللہ انھوں
 کے روز شرم کے وقت باوجود سناہ و کھل ضرور کئے تھے۔ پچھلے وہ سدا رہی۔ اور
 رفاقت کا حق ادا کرتے اور ایک ایک کی خبریت روزیت کرتے۔ یہیں کہ حکایتیں
 اور تھی کہ وہ چاہتے۔ چند منٹ بیٹھے اور بچے جاتے تھے۔ باوجود سناہ و مزرا
 صاحب کے ہم کتب اور ساری عمر کے دوست وہیں تھے اور انسانیات اور
 شرافت کا نمونہ تھے۔ گھبراہٹ و رتہ کی کی تعلیم نے جس کا طبع تیار کیا تھا۔

اس وقت پرنا وہ غمہ صابر خیریت سے سنے۔ ان کو سید کے مزار
 میں زیادہ دخل تھا۔ بیچتے ہی کہنے لگے۔ "آج آپ کچھ خوشی سے ہیں خبر تو ہے۔"
 "اللہ شہید غریب ہے۔ اللہ کو کھائی۔ لیکن خبر یہ ہو گئی ہے۔"

"واہ آپ جیسے لوگوں کو تو خیال پریشان کرے۔ اللہ کے نام پر کلام میں وہ
 تاثیر ہے کہ ہزار سرسبز ہو جائیں۔"

"وقت پرنا وہ صاحب یہ آخری ہے کہ وہاں ہاں مرحوم نے میرا شہید بچا ہوا
 کی لڑکی سے کہہ دیا تھا اور غصہ کوئی نہ تھی۔ بھائی کو تو سید بھی انھوں نے ہم سے
 ۱۰ فی صد میں نے ان کا ہونا خراب کر دیا۔ اب وہ ہم اور سب سے بچا ہوا سید ہے۔
 "اچھا حضرت جو یہی بھائی ایسی چیز ہے کہ ایک مرد مسلمان پریشان ہو بھی کر
 خوشی کے۔ بھائی نہیں تو خدائی کیوں روا رکھی گئی ہے۔"

"مگر چارہ دو صاحب و الدھر جوہر کی کی ہوئی خاوی۔ مٹی چھو بھی کیڑی دُنیا نامہ
 اعرس کی پھر خزاوی میں ورے کی مقدار میں۔ میں ثابت کتب کے احوال
 پرہ چاہتا ہوں۔"

"تو یہ فرما کے کہ غفلت خلق نے سر پر سایہ ڈالا ہے۔ حضرت میں نہیں ٹھہر سکتا
 نوعیت ذات کی بساط ہی کیا ہے۔ میرے پاس سیر کا ایک محل ہے۔ مگر بہت
 لغت کا اور نقشے کی اجازت نہیں خود کوئی بڑھوں تو آج بہل میں ہے۔ دین کا کھانا
 دیا جاتا ہے۔ اور مٹی جیسے میں صحت چٹن ہے۔"

"تو سولا پھر کاغذ میں مد فرما دے۔"

"جی ایک پر بھائی کے کام میں آتا میں اپنا فرض بھگتا ہوں مگر نامعلوم
 سے چٹنی ملتا دشوار ہے۔"

"مگر چٹنی تو سہ تو اولیٰ جاسکتی ہے اور میں کسی خدمت سے باز نہیں۔
 آپ درخواست دے دیجئے۔ کارندہ ہر مہینہ دس روپے شاہرو چنچاوا کر گیا۔"

خدا کی اذان ہوئی اور مولانا سید ابیدوس سے بھرا دل ملے اور علی شان
 کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ شام کے وقت باجو
 کا شاہر شاد محول کے مطابق آئے۔ نام خاتم خیریت ہو گئی اور خزاوی پر تھیکہ
 دے گئے تو سید کی طبیعت نہانی اور خفیہ شکل ان کے سامنے بھی پیش کر دی۔
 جاگو دہر کا کہ فہمائش کر کے کچھ راستہ پائے میں اس کی مدد کر رہا۔

رعنا بھی سید کی حالت باجوہ کی گوری کی کسی خفیہ اور ان کو اس کی نظری اور
 ذہانت کے باعث اس سے خاص اس کی غلطی سے ڈر رہا، انہیں کے شور و
 سے رعنا کی انہیں کے لئے رکھی گئی تھی اور اس کی زبانی رعنا کی تعلیمی ترقی میں شکر
 باجوہ کی کوئی خوشی ہوئی تھی۔ اس وقت سید نے چونکہ خود اپنے کی تھی۔ ان کو

موقع مل گیا کہ سید کو کچھ فہمائش کر رہا۔ چنانچہ کہنے لگے۔

"تمہیں تم چاہتے ہو کہ رعنا کے ذہن رواں کا تعلیم سے جو روشنی پہنچی اور
 اس کے خیال میں جو دوست آئی آئے شاد و امانے۔ تم یہ کیا چاہتے ہو کہ رعنا کے
 جو تہذیب و تہذیب حاصل کی ہے اسے کالعدم کر کے خزاوی رضی کے مطابق وضع و
 قطع بنائے۔ لیکن تم یہ تو مانگے کہ وہ رعنا کی بیوی ہے۔ اس سے بھی خاں کا کھانا
 ڈاکو لے کر ذہن ہے اسے بھی حق حقوق دے دیں۔ پھر وہ رعنا سے طلاق
 میں تہذیب کی خواہش کرے آخر اس کے اپنی دل ہے۔ اس کے دل میں بھی کچھ
 پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ اگر تم سے کہے کہ اپنے طبقہ کے دوسرے لوگوں کی سی
 وضع قطع تم بھی اختیار کرو۔ اور یہ حالت بنا رکھی ہے اسے ناپسند ہے۔
 تو تم کیا جواب دے سکتے ہو۔ میں تو تم سے کہہ رہا تھا کہ میں اس میں
 نہیں۔ مگر دل میں ہوتی ہے وہ دل میں صفت ہاش کلاہ تنزیل دار پر مل کر کسی
 خاص قسم کی وضع بنانا دراصل نفس کا فریب ہے۔ پاک نفسی تو اس میں ہے کہ ان
 دوسروں کی دلکاری کے لئے اپنی خواہشوں کو فراموش کرے۔ دل پرست اور
 کسب اکبر مست۔ اسی حکم کا دوسرا قول ہے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم
 پہلے اپنی حالت میں کچھ تبدیلی پیدا کرو۔ پھر تم خود بھی تہذیب بنانا اور رعنا کو
 کو بھی خزاوی رضی کا مانع بنادے گا۔ جو شکل کرنے بنا رکھی ہے۔ وہ کہے کہ ایک
 بڑی سی گلی لڑکی کے شکار اواز ہوگی۔ اس پر تم کو کڑوا رہا اس کے بعد پھر مجھے بتائی کہ
 آیا مجھے رعنا کو بھانے کی ضرورت ہے۔"

بالکل باجوہ کی خدمت ہو گئے اور سید کو عجیب دہنے کے سوا چارہ نہ تھا۔

چوتھی قسط

(از سید سجاد احمد مدظلہ)

(۱۷)

سید بیگ - مولانا سید بیگ جو مولانا سے قبل اور مولانا ہونے کے باوجود ایک محنت مند فوجی تھے۔ درجہ پانچ کے محنت کو اپنے گھبراہٹ میں نہیں دیکھتے تھے۔ ان کا دل آفس کے لباس کی عریانی آفس کی گفتگو کی آوازوں اور آوازوں سے بڑھ کر آفس کے کتاؤں کی فتنہ فتنہ کو جس نے ان کے احساس خودی کو ذریعہ دست نہیں لگائی تھی۔ پیش کرتا تھا۔ مگر فزائی دل میں وہ شخص شکل پھر جاتی تھی اور وہ اقران کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اس لباس نے ہمیں کا شہرہ کی قدر سے مرگ جواز کا فزائی نہیں دیا جاسکتا تھا۔ درجہ پانچ کو کس قدر و فزائی بنا دیا تھا۔ مولانا سید سجاد فی حسن کے بعد تھے۔ ان کے خفا میں انھیں جس طریق سے دہر دیکھا تھا اور اس سے زور دیا تھا۔ اپنے مسلک کے مطابق از خود ضروری دیکھتے تھے۔ لیکن پھر کیا بہت پہلے ہی سوچے چھٹی کشش کے علاوہ ان پر اتنا زبردست ہوا کہ وہ اس واسطے تھے جو انھیں اپنے خود ساختہ اصولوں کو دیکھنے سے دور سے چار دیا تھا۔ باوجود تیار ہوا کی نسبت اور وہ دیکھنے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے خیالات کو اپنے اندرون کا جائزہ لیں کیا انھیں ایک ایسی نتیجہ نہیں دینا چاہیے کہ وہ اپنے اعتقادات شہری کا استیصال بخشتی ہے جس میں کسی شہر کو دیکھیں گے اور ان کی اور کئی چیزیں اور کھینچنے لگے کہ قطعاً مضمون فرار سے کہ درجہ پانچ کو اپنے

محسوس ہیں اور ان کے سامنے کیا اپنے سامنے بھی نہ کہنے دیں گے یا یہ مناسب ہوگا جیسا کہ باوجود تیار ہوا کے مسلک دی گئی کہ وہ خود اپنی حالت میں تبدیل کر دیں اور خود اپنی شکل میں خفا میں جو ایک ٹیڈی گئی کی کو حد و صاف ہی کیوں نہ قبول کر لیا جائے کہ درجہ پانچ کو گولا ہو۔

ایک فزائی نہایت اور کشش کے جھلکوں نے دوسری شہر کو پہنچ دی۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے لباس اور اپنی وضع میں مناسب خرم کوں گے، اپنی چیزوں سے غلام مار کے عمل نے جو وہ درجہ پانچ کی کشش کے لئے بڑھ رہے تھے ان کی سیسیں کا کام کیا۔

(۱۸)

مس ڈکٹر دیا جس نے درجہ پانچ کو انگریزی بڑھائی تھی۔ اب بھی درجہ پانچ کے پاس آتی جاتی تھی۔ درجہ پانچ کے علاوہ مس ڈکٹر دیا نے چند اور گھر انوں میں بھی بڑھا دیا تھا۔ ان میں ایک گھر جو مل صاحب کو مل گیا تھا۔ اور مل صاحب اپنے خیر کے سر پر آمادہ اور کامیاب دیکھتے تھے۔ لیکن اپنی مایاقت اور محنت کی وجہ سے انھوں نے وہ حالت میں اتنا کام کیا تھا اور اتنا کام دیا ہے کہ ان کا شمار مبلغ کے دو ائمہ دہوں میں ہوتا تھا۔ اور اگر اسی مبلغ میں مبلغ کے قریب ہی واقع تھا۔ مرزا اسماعیل بیگ جو خود اپنی ریاست کے بیشتر مقدمات اور مل صاحب ہی کے سپرد کرتے تھے۔ احمد علی صاحب خانوں اور نظامیوں پر اس قدر عادی تھے کہ اگر مقدمات ان کے ہاتھوں میں سرسبز ہوتے تھے۔ اسماعیل اور احمد علی بہت ہی متکلف زندگی میں ہم خیال تھے۔ مگر احمد علی جس مذہب دانتے تھے مرزا اسماعیل ہی کا ساتھ دے سکتے تھے۔ مگر مرزا صاحب موجودہ ان کی تعلیم کے حامل تھے۔ مگر وہ اس کو پسند کرتے تھے کہ ان کی حد سے مل جائے

کسی دوسرے شہر میں تسلیم کے لئے بھی جائے۔ کہنے کو تو وہ کہتے تھے کہ اگر اسکا حق ہو تو بھی سے اپنی مسئلہ کو کر اٹھیں کہ کیوں نہ پڑھایا جائے اور کیوں اُسے دوسرے شہر میں بھیج کر پڑھ گیا جس کو کہ ان کی تربیت سے محروم کیا جائے جو جہاں تک دیکھیں ان کی تعلیم کا تعلق ہے۔ مجاہدین دوسرے داریوں کے جوڑ دیکھیں کہ اور وہ اپنی زندگی میں اپنی اپنی تعلیم سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن اصل میں اس مسئلہ کا حقیقی محرک اپنی بہن کا پاس الفت ماوری تھا اگر وہ چاہتے تو ریحانہ کو کھنڈہ یا علی گڑھ کے مسلم گرس کالج میں آسانی سے بھیج سکتے تھے کیونکہ وہاں آزاد کیوں کہ دوسرے شہر میں بھیجے اور پڑھ گیا۔ لیکن ان کے اکثر مخالفت کی جاتی تھی۔ لیکن اب اس مخالفت میں کی آپٹی تھی۔ لوگ جہاں اپنی اولیاء کی رائے رہے تھے۔ مصارف کا خیال تو سدا رہا تھا۔ اب نہیں سکتا تھا اور غریبوں کی داسے کو اپنی داسے پر ہم وقت مقدم کر سکتی تھی۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ بیوہ اس سے انکوری اور وہاں وہ بھی کچھ کا شہر کا کچھ شہری زندگی نہ ہوگی۔

احمد علی صاحب اپنی بیوہ سے تیار نہ تھے۔ ان کی کوئی بیوہ نہیں کی اپنی بیٹی جس کو اس سے کہہ کر کے کا سوال ہوتا۔ ان کی ایک لڑکی تھا علی اور دودھ کے قندور پر مشغول۔ سدا ریکانہ سے عرصہ شاید دو برس پڑھا ہوگی۔ اس کو گڑھ کے مسلمان کو بھیج کر پڑھا یا۔ جب دیکھیں صاحب نے مسلمان اور گھوڑوں کو دیکھ کر کہہ سکتے تھے کہ فیصلہ کیا تو بیگم احمد علی کی تقدیر مخالفت کو اور جو بہنوں کو قصور ہی بہت اپنی اطلاع کو لپٹے سے بڑھانے سے ہوتی ہے۔ ایہ کچھ گڑھ کیا کہ خبر سے مسعود صاحب پاس ہیں۔ متبادل اس سے پہلے کہ اور جہاں دیکھ دلوں کی میں کھنڈہ اپنی کو کہ سے لگائے نہ کہنے کی خاطر اپنی اولاد کی تعلیم میں روڑا نہ بننا۔

مسلمہ کے علی گڑھ چلے جانے کے بعد وہ کل صاحب سے بھی حسن ڈاکوڑا

کو بلا کر علی بیگ سے سفارش کر کے ریحانہ کی تعلیم کیلئے رکھوا دیا۔ احمد علی صاحب اور بیوہ صاحب کے تعلقات اب بھی دو دیکھیں اور مومل کے ذریعے تھے بلکہ وہ دونوں گہرے دوست تھے اور ایک دوسرے کے بچے خیر خواہ تھے۔ میں ڈاکوڑا کو تو فرما صاحب نے بڑی خوشی سے ریحانہ کی تعلیم کے لئے منظور کیا۔

ریحانہ اور مسلمہ اس طرح ایک آسانی کی کٹ گزری تھیں اور دوسرے بھی ان کے تعلقات دو بہنوں کے سے تھے۔ مسلمہ علی گڑھ گرس کالج میں اس وقت لی۔ لئے میں بڑھ رہی تھی یعنی جس وقت کہ ریحانہ کی خصوصی کا سوال درپیش تھا۔ بڑی چھٹیوں میں مسلمہ جو گھر آتی تو ریحانہ سے ملنے لگتی وہ انعام کی رفتار سے وہ واقف تھی۔ وہ شرمیلی تھی کہ ریحانہ کی خصوصی جو بیوہ والی ہے اور وہ ہم اور بیوہ والی ہے تکلف دیکھیں میں اس مسلمہ میں بھیڑ چھاؤں کا جو تا ملازمی تھا۔ غم کو مسلمہ کے کہ اور حضور ہی اور اس کے پاس بیٹھ کر اور دعائیں کے کہ مسلمہ بیوہ کے ساتھ اس کے کہ میں لگی۔ کہنے میں داخل ہوئے کہ ریحانہ کو کہہ کر کے کہے کہ اب آپ فضیلی معنوں میں بیگم مسعود بیگ جو جہاں میں تھی۔ لیکن میں اس کے قائل نہیں کہ بھلا کر کے ان کی کو شکاے نہ رکھنا دل میں منسلک ہی کیوں بیوہ کی جاتی ہیں۔ مجھے تو بھٹ منگنی پٹ بیوا دیندہ ہے۔ مسعود

تربیت انا دل یا اس کے بھر دہرہ جانا

ظلم میں ہے۔ اور آج کل کے اخباروں کی زبان میں اسے باطل و اطلقی۔ ریحانہ یہ تو جانتی تھی کہ اس کے بچے بیوہ کے کہ نہیں لگائی جائے گی۔ مگر یہ نہ سمجھتی تھی کہ اس قدر صلہ وہ امید کرتی تھی کہ مسلمہ اپنے کالج کے حالات سنائی اپنی چڑھائی کے متعلق گفتگو کو سہل جوئی کہ ہیں انھوں نے اس عرصہ میں میں ہیں۔ لیکن ان پر تیار نہ کیا۔ اسے ہو گا اور عورت کتنی ہی ملتی تھا اب پر واز کہنے۔

اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ انی ساروں اور چرواں کے بارے میں اس کا واسطہ نہ لگتا اور اس غصہ میں اس نے کیا کیا خرابیاں کی۔ مگر اس نے تو چھریاں تلے دم پہنے ہی نہیں دی ایکس جیپرو دی سے اس کو چھیننے دے دیا ہے۔

ریحانہ کو چہرہ تشوہ تھا۔ انھوں میں نہ تو ڈنڈا بنے اور ایک ہمارا آواز سے جس نے سلسلہ کے سارے خاقان کو ایک دم ہندل میں مغموم کر دیا۔ اس نے کہا کہ سلسلہ میں بڑا زمانہ نہیں لگتا کہ تم بے خبر ہو۔ دیکھو اس کو چھین ہے کہ تم مجھ سے بددیہی نہیں رکھتی ہو۔ بات یہ ہے کہ تم اس مافوق سے واقف نہیں ہو۔ جو حقیر سے میرے دل پر کھینچے ہیں۔

کیا نامہ عالی شاہ کا مابین ماسطیبا

یہ کہہ کے وہ اپنے ڈنڈا ہوسے آسنوؤں کو روک نہ سکی۔ ہندو شاہ گیا اور سیلاب اہم ہو گیا۔

سلسلہ نے اپنی سخت غلطی کا احساس چھپے بغالی میں اس سے سرزد ہو جاتی تھی۔ اب یہ اس نے ریحانہ کے گلے میں پھینک دیں اور اس کے ہتھکڑے ہونے چہرے کو جس پر سلسلہ کے آسنوؤں کو ریحانہ کے آسنوؤں میں لپکتے تھے۔ چچن شروع کیا۔ اور کہنے لگی: پیاری بہن میری یہی قدر ہے معاف کر دو، مجھے ہرگز اس کا گمان بھی نہ تھا کہ یہاں ذاتی تھیں اتنا بڑا حلیم ہو گا۔ ہونم نے دعائیں کہیں اور گمانے نہ ہمارے گمراہی سے پرکھو۔ یہ آسنوؤں اور رنگ دونوں گھروں اور جس نے ریحانہ نے سزا ڈھائی۔ یہ غم برس چکا تھا۔ یہی اب نہ ملے گا۔ کہ شعلہ سوا لٹاں گئے۔ نہ کہ یوں نہ تازہ دوسلوں کی تنقیدیں۔

وہ گمانہ کی کتاب نہ زندگی کا حلقہ آخراؤں کو دھکا دے گا کہ جس پر پڑی کی پڑی رہ گئیں۔ اب دونوں آہستہ آہستہ یکساں نہایت بنیدگی سے ہمیں

ذائقہ اور ہنس کا خاندان ہی نہیں باقی کر دی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد سلسلہ غصت چوٹی نہ ریحانہ میں آتی سکتے تھے تو غصت کرنے کے لئے کہہ سے باہر آئے۔

(۹)

باشہ سلسلہ کیوں آئی۔ یہ آئی ہوئی تو اچھا تھا۔ اس شہیدہ کا طرز کا ضعیف دل بیکر تھک چکا ہو گا۔ میں سمجھتا تھا۔ لیکن وہ میری کشتی کو چٹانوں سے ٹکرائی کشتی ہے کہ کاش چچا جان آپ کو یوں پا ہندہ کر گئے ہوتے۔ مشرق اور غربہ کو اس صبح ملایا جاسکتا ہے۔ گھوڑا کیا، اچھا لگا کھلے کلاس میں دل و لب کا ذوق لکھا پاکیزہ خاوی کی کھسکا سگ خاقان اور صورت کو جس قیمت احترام پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا اندازہ تو کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب اس کے محبوب موضوع پاس سے کوئی انگلی کی جائے۔ باز یاد رہے کہ جب وہ خود عام شہر میں اس موضوع پر گفتگو کرے۔ کیا وہ ممکن نہیں کہ وہ وہاں ہستیاں ملے اپنی زندگی کو لگی پش اور گلہ نہ کرے۔ میں ان بیروں کو جو دوسرے جاری داسے ہماری آواز کے خلاف چارے پاؤں میں ڈالیں گا۔ اتنا تو نا سوچو وہ سوسائٹی کا اور دوسرا شہر میں ان ضعیف ہتھوں کا اور اس نے اپنے اور میرے ہتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا، افریقہ جیتی ہوں۔

کیا خوب نفس اس غرض سے کہ خاندانی چاندلوں کے ٹکڑے نہ ہوں تو تھوڑا نیکیاں اور تھوڑا تربیت والی غصیوں کو ایک جھوٹے میں جوتا جاتا ہے۔

چاندلوں کے ٹکڑے نہ ہوں تو ان کے ٹکڑے ہو جاتیں۔ ہمارا کام احاطہ۔

ہمارا غرض فرماؤں اور فرما دیا گیا ہے۔ مگر فرماؤں ہی اور احاطہ کی ایک ہو جاتی ہے۔ سوسائٹی کی قریب لگنا، یہ کب تک ہم بھینٹ چڑھائے جائیں گے میں سمجھتا ہوں کہ بغیر سوچے کچھ سلسلہ کی زبان سے یہ سب کچھ مل گیا۔

ایک ایک سازش و فتنہ ہے۔ اس میں ڈگر ڈرائی نہیں وہ بھی کچھ گول گول اس قسم کی تحریر کر نہیں۔ لکھے نہیں ہیں تاکہ سر ڈگر ڈگر اور سوائے جتنے بدست خارج کر لی ہو کہ اس میں صاحبزادین تیار کر رکھی اور پھر سلسلہ اس کی گم رہی ہو کر گئی۔

سلسلہ کے بچے جانے کے بعد زمانہ اپنے صوفیہ پرست حال پڑی ہوئی یہ باتیں اپنے دل سے کہی تھیں۔ یہ زمانہ کی تعلیم تحریر ہوئی تھی جس سے اس شخص کا دل کا کچھ کی شکل بھی نہیں رہی ہے۔ کائنات میں نام سے کہ وہ بچوں کے جوں یا ان کیوں کے زندگی کے تمام مشغول تھی مذہب، پولیس، سوسائٹی کے تعلقات یہ ہمہ جہان انجمن اور جماعت انجمن پر حالت ہر ٹانگ کے گرد اس میں لگا اس دور میں کیا کرنے کے وقت انھیں کے وقت چوتھے رہتے ہیں۔ ان میں کوئی بڑا ہے انھیں موقع نہ تھا۔ انھیں نہایت کے سبب سے اس کی خبر کو نہ تھا کہ سوائے اس کی تعلیم ہوئی تھی تعلیم نہ تھی۔ لیکن کچھ تو فہمی حقوق کی بنا پر کچھ اس سبب سے کہ تباہی اور فرسٹ کے لئے اس طرف تامل کیا کہ وہ اپنا وقت زیادہ بڑھاد میں صرف کرتی تھی۔ لیکن کچھ تو فہمی حقوق کی بنا پر کچھ اس سبب سے کہ تباہی اور فرسٹ کے لئے اسے اس طرف تامل کیا کہ وہ اپنا وقت زیادہ بڑھاد میں صرف کرتی تھی۔ اس کا مطالعہ ایک صورت انجمن ہو گیا اور لکھا۔ اور اور انجمن مشرقی اچھی اچھی کتابیں اس کی تحریر لکھتی تھیں اور وہ لکھنے کے سکتے تھے سکون میں ان سے تعلقات اندر نہ تھے چوتھی تھی اور ان کی فہمی کی تھی۔

سلسلہ کی تعلقات نے اس کے خیالات میں ایک زبردست تاثر پیدا کیا یہی اور ان کی کے سامنے یہ خیالات ظاہر کئے جاتے تو شاید اس کے دل پر داغ میں یہ چیزیں پیدا نہ ہوتا۔ مگر جی حالات و واقعات نے وہ بڑا دکھ دیا کہ لکھا تھا اس شعور اس داغ اس علم اور اس صاحب احساس لڑکی

کے سکون و توازن میں خلل انداز ہونا ایک لازمی امر تھا اس کا ماحفظ قوی تھا۔

Sham کوٹھارہ *The Bottle House* گڑا کا گھر نڈا پڑا ہوئی تھی اور اس نے ایک دریا انٹراس کے داغ پر چھوڑا تھا گڑا گھر *The Stomach* *to compare* اس کے مطالعے گھر چکا تھا۔ وہ اس سے اپنی مشاغل و قیاسی پرچہ کے انسا نے بھی اس نے بڑے تھے جی سوا اور شوہر کی اعلیٰ اس کو بچا تھا اور غلامی روایات اس کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ وہ سوچتی تھی *Sham* خود داری اور ان کی تعلیم کرنا ہے۔ کیا اسے بھول جا نا چاہیے۔

Sham *to compare* سے یہ دوسرا مطالعہ کر رہی تھی اصل کھٹکے کے لئے اپنے اپنے صوبے سے بھی نچے آ کر آیا بیٹھے۔ غلامی مستحقات نہ ملانی روایات کا شکست کرنا اس حد تک چاروں روایات کو نظر انداز کر کے ان کو بال بال کر کے اپنے حوصلے پر جیتور کا دل خون کے زندگی میں مستحقات نصیب نہ ہوئی تو اس سے غصہ بڑھ گیا کہ اس بارنا ہوا ہوا کچھ وہی ہوں وہ قریب پہنچنے پر بعض ایک سراب ثابت ہوا تو یہی جان تو کرنا میں میں بھی تو نہیں کرنا ہوا یہ میرے کی کئی جان کے کھائی نہیں جاتی۔ میرے لئے دوا درست ہے وہ بجاوے کا راستہ جس میں آزاد ہوئے ہیں وہ وہ لکھا ہوا ہے اور وہ راہ جو اس کے چلنا اور اس کی ماں نے اس کے لئے بنائی ہے۔ کیا ساری اور جسموں کو جاگ لگا دوں۔ اپنے تئیں متی دوں یا نہ بھٹ جو کے کہوں کہ میری ماں کے ساتھ بہتر ہوگی فقط۔

پانچویں قسط

دارتیلہ استیلا ز علی تاج

(۱۰)

دیکھ دے مجھ کے وقت، چنانچہ بادلوں کے ساتھ کھنکھاتی اور جھنجھاتی
شروع کر دی۔ شام کو روغن بوب سونے میں سے آدھ گھنٹہ سر میں ڈالوائی۔ رات
کو سوئے سے پہلے آدھ اپنی جیبیاں بالائی کے ساتھ کھاتی۔ پھر بھی اس کا دل
اس امر کوئی غلطی نہیں کرنے کے قابل نہ بن سکا کہ وہ اپنی سارویں اور جیبوں
کو انگ انگ کر دیکھتے کہ وہ یا منہ بھٹ ہو کر کہہ دے کہ میری سید کے ساتھ
بسر نہ ہوئے گی۔

ایک بار اسے یہ خیال ضرور آیا کہ اپنی کئی سارویں اور جیبوں کا انگ کا میر
کرنا اور اندیشی سے بیدار نہیں ہوگا۔ لیکن پھر یہ سوچا کہ فائدہ اگر پہلے آپ کو
لیجئے ہوا کہ فیصلہ کرنا پڑا اور ساری جیبوں کا ساتھ چھوڑنے کے سوا چارہ نظر نہ آیا
تو میرے گروہ پر سوئے اس کے کس کو ساتھ لے گا کہ خیالات کر رہا جائے۔ ذہنی
گھٹنوں کے اس زمانہ میں ایک روز انکار اس نے گروہوں شروع کر دی جو
دیکھنا تھا میں آجانیہ دیکھنے نکلا رہی۔ مباحثہ اتنا تھا کہ خود غل غلوڑی دیو
کے لئے داغ کو انھیں سے غلطی دکھا دے۔ اتفاق سے ایک دیکھنا تھا تو اس
میں یہ گیت مشابہت دیا۔

"بیسیر پیسہ کیسے بہار"

یہ غفلت کی ہی کیفیت آئے موسم بہار کے سرسبز وقتوں کی، اچھی خوشیوں
میں سے ہی ہے جسے گھونٹنے کے لئے گئے۔ ایک معلوم وقت اس کے نفس کو
سرخشوں میں بہا کر رہی تھی کہ کسی شاعر کو یاد کر چکا اور پہلے اوپر جیبوں کا چھینہ پانے
کو اتفاق سے ایک پیسہ آپ سے آپ شاعر سے اٹک چکا اور اس کی پیشانی
سے لٹک کر زمین پہ جا پڑا۔ پیسہ گرا تھا کہ ایک سنت اس کی آنکھیں زیادہ کھلنی
شروع ہو گئیں۔ اس کا سامنا تو فریضہ پہلے تھا۔ ایک بے نصیاتی میں سو لڑکھیم
کا کھسکا اس کے منہ سے نکلا۔ پانچواں یا آٹھواں گروہ تو ن ہند کے دو
آٹھ اور اس انداز کی طرف پہلے میں اس کا نقدی کا بیوہ دکھا رہا تھا۔
روہ نے اپنی فانی آنکھوں کا کیا عمل پایا تھا یہ ہم اپنے سامنے ہو کر گئے
پھر کہ سب حوت پر تباہ ہو گئے۔ فی الحال آٹھ گروہ کی یہ پانچا ہتے میں کہ
حیرت انجمنہ میں آئے تھے نہ سوچ سکتا تھا۔ اگر اس نے عہد میں ذکر خدا سے
نہ پاؤں ہوتی۔ ان خانوں کی جو اپنی جب اکاٹ گئے تھے تو ان خانوں نے اپنے آپ
سے عہد کر لیا تھا کہ اب کنواری ہی رہیگی اور اپنی ذاتی زندگی میں کام کے سبب
تبدیل کی کوئی ہندوستان کو چھینے میں مصروف کر لیں گی۔ لیکن یہ عہد
کھلے کے طور پر ہی عہد پر چھینے سے ان کی حالت اس سولہ گروہ سے ہو گئی
پسے مزید اسدھی بیگ پر ناک کا عہد ہونے کے بعد ان کا دوسرا گروہ میں
بچا گیا تھا۔ اور جس کا چہرہ مزاج صاحب کے ساتھ کے بعد ان کا ہوا دیکھنے میں آیا تھا
اور میں کی سوئی میووں کی خشکوں نے منتظرین اور عہدوں کو بتا دیا تھا کہ
دکھائی ابھی خبر سنانے کے لئے آ رہی ہیں۔

خود سے ہی وہ اس سولہ گروہ کی مذکورہ بالا سوئی کوئی بھروں نے

مس ڈاکر فدا کاروں نے بھی کھینچ لیا۔ لیکن جب مس ڈاکر نے اسے محسوس کیا کہ وہ اور سول سٹریٹ اپنی اپنی زندگی کا سن بہت مختلف قرار دے چکے ہیں تو اس ڈاکر فدا اپنے دل میں جذبات کی ایک سچے پتہ پر دست کشی محسوس کرنے لگی۔ ایک طرف چند مسلمان لڑکے چاروں طرف لڑکھا رہے تھے اور اس کے کنارے آؤ اور محمد بن مسلم اور منجیب کی دوستی پھیلے۔ اور دوسری طرف سول سٹریٹ صاحب سرگوشیوں پر ایک کھڑے تھے کہ یہی باتیں چند مسلمانوں میں علم و تہذیب پھیلنے سے چند مسلمانوں کا اتحاد اور مس تو شہم تو سن شدی کا درس دے۔

مس ڈاکر فدا نے فریاد کیا کہ جانا تھا کہ اس زمانہ میں دوسرا سا دکان دیا کرتی تھی کہ چند مسلمانوں کے لئے زیادہ بہتر اور فائدہ مند شے فی الحقیقت کوئی نہ تھی۔ ان ایک رات روئے روئے آگ کی لگی شہر کو ابھر رہی تھی جو کسی سی جلدی ہوئی اور اس جہیز میں نہاد و نہادانی نے اس کی رہنمائی کیا اور اسے نہادانی کرانے کی تو محسوس نہایت سے مس کرے اور اس کا نتیجہ بھی نکلتے اس پر استغفار اور استقامت سے عمل پیرا ہوا و عاقبت فحاش کر کے گی۔

مس ڈاکر فدا یہاں تھا کہ انھوں نے آٹھتے ہی پھر کیا اور اس کے فیصلہ پر نہیں توجہ خاص صاف ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

تو صاحب اپنی نگاہیں غمگین کرنے کا بھی ڈھنگ اب دیکھنا آیا۔ اس نے تقدیر کے ہاتھ سے اس سے ایک چیز نکال دی۔ ایک انگلی انگوٹھی انھوں سے آئے تھی رہی اور پھر شے کے انہی تقدیر پر یہ شے کے حوالے کر دی کہ اگر انگریز آئی تو وہ انہی ساروں کو اور پھر وہاں کو بغیر یہ کہنے آگ لگا کر اپنے آپ کو شہر کے اندر سرایاؤت بھٹ بھڑکے کہ یہی سید کے ساتھ ہنس رہو کے گی۔

یہ کہہ کر اس نے انھیں ہٹ کر لیا اور جذبات طوفان کو دبا کر جیسے انگریزوں سے اچھا لڑکھوت سے جا لگا۔ وہاں سے جیسے دہشت خیز قبا باز اس لگا اور تقدیر کی گھنٹہ خورشید جلتا ہوا پتے سے فطرت پر آگ اور نور چھٹکا ہوا ایک کونہ میں جا چڑا دھا دیس اور جی سے لڑنے لگے ہونے والے ساتھ امید و بیم کے حوالوں جھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوئی کوئے کی طرف بڑھی اور وہاں وہ دھنک لگے شے سے ایک دینی سی شے نکال لی کہ جیسے یہ تقدیر نے انگریز کی طرف اور یہ کوئی شے ساروں کو دھنکوں کو آگ لگا کر اپنے آپ کو کھانچنے والی طرف بڑھی۔ ہنسی۔

وہاں بڑا چوٹ چوٹ کر دئے تھے۔ اندھی لڑکے چوٹ چوٹ کر دئے تھے۔ باور چھانڈی اس کی بالی جسم پر کا ہوا دم نصیب سے شے کے خفاہ کی چھا کیلئے قریب ہی رہ کر رہی تھی۔ لیکن اسے مطلق خبر نہ تھی کہ اندر اس کی تو نظر بھانہ ہو گیا گھر ہی ہے۔ لیکن یہ بھانہ خود ہی وہ جہیز ہے کہ اس کو کھڑی ہوئی۔ اب اس کے چہرہ پر ایک غم رہا تھا۔ ایک اپنی غم۔ وہ غم جو خود اپنے کو خاطر میں نہیں دیتا جو دامن کو خالی سے بے پروا کر کے لایا مستقیم ہے بانٹا ہے۔ اس نے حوصلہ سے سر اٹھایا بہت سے قوم بڑھائے اور جیسے بڑھائے اس کے حال کو ہوئی۔ میں پھر اس کو دل کی گئی۔

محسوس اس مزید بھی اس نے تقدیر کا سابق فیصلہ محال رکھا۔ لیکن وہاں کم بہت لڑکوں میں سے نہ تھی۔ اس نے امید کا دامن اتار دیا۔ خود اس کے حال سے کہہ سکتا تھا کہ اس وقت تک ہوا تو اس پر اس کی رہی۔ جب تک کہ تقدیر مجبور نہ ہو گی کہ جیسے کہ سر والی طرف اور نکالے۔ اس کے بعد وہاں سے فرما سترت سے پید ہو کر اس کی شے آنگھ کے ملنے میں اٹھا لیا اور

اعلیٰ جان کا ایک تہا سانس لے کر تڑپی لباس زیب پر کیا جو مسجد سے پہلے
 اجازت کے موقع پر استعمال کیا تھا۔ صندوق پر چڑھا بھی وہی پہنا جس میں سوائے
 دو چار تسموں کے کوئی چیز پاؤں کی جگہ کے رنگ کو چھپانے والی نہ تھی اس
 صلیح تیار ہو کر اس نے سواری سگائی اور راستہ پر بڑی باہمت سے اس سے اپنا
 ہاتھ کر اسے سطر کے پیاں جو آئے نہ ڈایا گئے۔ یہ سکتی جب اس نے
 بڑی سختی سے اجازت دینے سے انکار کیا اور اسے روک دیا تو وہ اک آہ سرد
 بھر کر راستہ کے بغیر و ستر خوان پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے بھٹکا کر
 ادب کے لحاظ معلوم ہوئی۔ چنانچہ برقعہ میں کر تپ چاب سطر کے پیاں چلی
 دی۔ اس نے کہا کہ بڑی مانتیں یہ ظاہر تھی جیسا کہ اسے کی کو بھی سننے لگے جاتے
 جسے دیکھا ہے :

(۱۱)

دعا بچی تو سطر کی ہاں سحر کا ساتھ لے کر صوفی رخت گھونے بازار گئی
 ہوئی تھی، احمد علی صاحب میچ کے لئے ایک کورٹ میں مقدمات کو سرسبز کرتے
 تھے گھر والوں میں سے صلہ اور محمود کے سوا اور کوئی گھر پر نہ تھا، کالج میں تعلیم
 پانے کے سبب دروزوں میں بھائی فیض چاہا اور شکر چروں سے خدا جانے کس
 خیال میں فرق بیٹھے تھے۔ ایک کنواری لڑکی کی اطلاع مشکور کو دیا چہرہ فرما
 جیسا کہ کوئی ہو گیا اور وہ اپنی اجیس سے پسینہ چھپتے ہوئے باہر جانے لگے۔ لیکن
 ریکارڈ برٹ آؤش سے محسن میں داخل ہو چکی تھی۔ محمود دیکھا تو شل کا قد آدم جتہ بن کر
 رہ گئی۔ ریکارڈ کو برقعہ میں بدوئی تھا جس کے شے سے پاؤں نظر آتے تھے۔
 ریکارڈ بچاری کو گھر میں نہ جونی اور نہ وہی انکھوں کے سانس کے بیروں کو بچکے سے
 دیکھ لیا جس بیروں کو گت میں سے دونوں پر جوتے بھی اور تھا کہ میں میں سوائے دو چار

تسموں کے کوئی چیز پاؤں کی جگہ کے رنگ کو چھپانے والی نہ تھی۔ ایک سخت محمود
 کا دل اور چاک کس سے کہنے لگے۔ بیٹے جو تے اور میں سونے تو سطر پر کھینچی
 تھی۔ یہ لڑکی ضرور عام ہدیہ لڑکیوں سے جو مختلف ہے اور یقیناً ایک جملہ
 شخصیت کی مالک ہے۔

یہ سوچا ۱۱ اور ریکارڈ کا چہرہ دیکھنے کی آندہ اپنے دھڑکنے ہوئے دل
 میرے وہ باہر نکل گیا۔ کہے میں ریکارڈ کے داخل ہوتے ہی پہلے باب کے
 مطابق سطر پہلے اسے گھڑایا اور پھر کہا "سات کرنا محمود بھائی کی تم سے
 کر ہو گئی۔ گر کہ ہو محمود تو مجھے یقین اس بات کا ہے کہ انھوں نے تصویر پر قوس
 دیکھا ہے۔ مطلب ہے کہ تصویر پر قوس نہیں دیکھا گویا دیکھی تو مگر برقعہ اور سے
 ہونے دیکھا۔ جیسا کہ قوس اور سے ہونے نہیں بلکہ تصویر دیکھا برقعہ اور سے ہونے یعنی
 تب دیکھا جب کہ برقعہ قوس نے اور پھر دیکھا تھا تب نہ دیکھا جب تم نے برقعہ اور
 دیکھا تھا۔ یہ سچ سچ مطلب :۔

ریکارڈ نے روانہ سے میرے من کی طرف جھانک کر اس خدا کو دیکھا جو محمود
 کے باہر جانے سے پیدا ہو گیا تھا اور پوچھا : آپ کے بی بھائی ہیں۔ جو کہیں ہیں
 اولیٰ تعلیم میں اولیٰ ملاوہ کا پانچہ فروق مضامین کا مذاق رکھتے اور صورت
 کو قسٹ افرازم پر بھانا چاہتے ہیں ؟

سطر نے ریکارڈ کو پہنے پاس موندے پر بٹھا دیا اور اس کے کانوں میں کہا
 "ہاں ان میں ایک فقہ کا پسر دیکھنے کی ساری غویں کو جو رہی :۔
 ریکارڈ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے : کاش میں بھی کسی فقہ
 کی بیوی بن جاتی تھی ؟
 سطر نے اسے جراتی سے دیکھا : اسے انھیں معلوم نہیں کہ تم ہو :

دعا خان اپنے آنسوؤں کو بھولی گئی۔ "پہنچا"

سلسلے نے کہا: "اور کیا تم نے بڑوں کی امانت اور فرائز واری کے رول پر غلط فہمی کا کچھ کرنا ہے یا نہیں؟"

دعا خان سر ہلکا کر کہا: "ہاں"

سلسلے نے پوچھا: "تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہاں تو نمایاں بدترین فیصلے اور بدترین کی زندگی بسر کرنے نہیں آیا؟"

دعا خان اشتیاق سے بولی: "ہاں"

سلسلے نے کہا: "ایک مرتبہ تمہیں سکھانا چاہیے کہ تمہاری شہریت کیجیے تھے کہ خود ہی سکھائے اس قسم کی ہے جو چھوٹا بچہ کے ہتھ دیکھ کر بچے کے چہرہ پر چھائی ہے؟"

دعا خان: "جواب میں غصے سے سکھائی تھی۔"

سلسلے بولی: "ادب سکھائیے کہ وہاں فریضہ گزارنے کے لئے جو مشنریزکی دواز میں داخل ہوا کرنا تھا۔ وہ تم نے ایک روز اپنے شوہر کو جو سن پوچھنے کے لئے پیش کیا تھا؟"

دعا خان کو یاد آیا کہ اس موقع پر مسجد بسبب پسند نہ آئے تھے۔

سلسلے نے پوچھا: "کیسے؟ تم نہیں تھیں تو جب اس شوہر کو سن پوچھنے کے لئے تھا جس میں جملہ کچھ اور عرب جانور آتا ہے جتنا کہ گناہ سے بچھوٹا ہو اور آقا اور ان کے جتنے جتنے میدان رنگ سے بھاگتا ہوا نظر آئے؟"

دعا خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا: "یاد تو رہتا ہے۔"

سلسلے نے بہت غور سے دعا خان کی طرف سے غور کے متعلق کچھ اپنے سے یہ سوال کیا تھا کہ اس کیفیت کو ان کی کوئی چیز دیکھ کر ممکن ہو گا جو شادی کا

تصویر ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے؟"

دعا خان ہنسنے لگی اور کہا: "جی ہاں"

سلسلے نے پوچھا: "جب دعا خان فیصلہ مسجد کو غوث میں سامنے کر دیا تھا تو بیک ایسی تصویر ہوتی تھی جسے تمہارا احساس سہار نہ سکتا تھا؟"

دعا خان کی ہنس کچھ ٹھنکی اور وہ بولی: "ہوتی تھی، ہوتی تھی۔"

سلسلے نے پھر سوال کیا: "تمہیں کبھی یہ خیال آیا کہ تم میرے بھائی کے ساتھ مل کر اپنی زندگی کو کفن یا شادی اور کفن کر دے؟"

دعا خان کا رنگ فق ہو گیا اور وہ جھک گئی اور بولی: "نہاں تو ہے۔"

سلسلے ابھل کر کھڑی ہو گئی: "تو میں یہی چاہی تم میری بیوی نہ بنو گئی تھی بلکہ فریضہ بیوی ہو۔"

دعا خان سلام دعا کر فریضہ بیوی سے مل کر مل کر گیا ہے۔ مگر اسے فریضہ ٹوٹ بہت مرحوب تھے اس لئے وہ بھی کہ بیوی کی فریضہ ہی ضرور زادہ سہارا

اور زادہ دلائے ہوتی ہوگی۔ چنانچہ خوشی کے بارے میں ایک کردہ ملے سے پوچھ گئی۔ پھر اس نے ملے کو کچھ اس لئے بار بار دہرائے اور سر کو شہر میں بہت

اہم بات دینا کہ اس سے کبھی دہری سے جو کچھ تمہیں ملے اس لئے اپنے ساتھیوں کو کھانے سے بھی منع فرمادیں۔ لیکن اسے شک ملے بار بار دہرائے اور سر ہلکے

کرئی تاکہ دعا خان کو اپنے چہرہ اور اپنی آنکھوں کا مختلفہ تغیر واضح طور پر دکھائے۔ پھر فریضہ بیوی پر متاثر ہو کر خود چھپا کر کے انہماک سے کان اس کی سرگوشیوں

پر لگا رہی۔ دعا خان کی سلام بات سن کر سلسلے ایک گہرے سوجھ بوجھ ڈوب گئی اور دیر تک ٹپ ٹپ چاہ ڈولی۔ یہی پھر سر ہلکا کر بولی: "ابھی بات سننا چاہی تھی ہوں

مگر یہ ٹپ ٹپ کے اندر ہم کو فریضہ کرنے ہوں گے۔"

دو فرستے سے رہا نہ نہ ملے کہ شہر چم گیا۔ مگر دیکھو کہ روم میں جا کر تیار
ہونے کے خیال سے کپڑے ڈالنے لگی۔

(۱۲)

اب ہم اپنے سامعین کو مژا مسجد بیگ کی خدمت میں لے جاتے ہیں، انہیں
برہنہ شہادت چوٹی کو پہنے اب تک ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ ایک فرنگی جان
دیکھش کے بعد جب انہوں نے فریاد کر دیا کہ وہ اپنے لباس اور اپنی وضع میں سب
قریم کریں گے مگر جب پڑا وہ غلام صاحب کے محل سے جو دروازہ کی نظر
کے لئے بڑھ رہے تھے۔ انہی سبکی کا حکم کر دیا تو انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ
بھائی کیا کرنا چاہیے۔

ایک روز نماز صبح کے بعد مسجد بیگ صاحب کے ولی لڑا کیا اپنے
چہرے کے گرد سادہ کا شل ڈال دیا۔ لیکن چھپاتے اور دونوں اور شہنا ساراں
سے نظر پکارتے تھے۔ ان کی بازو میں ایک کپڑا لپیٹی ہوئی کان پر جا بیٹھے۔ ان کے یہاں
موجود گورنر صاحبوں کے لباس بڑے فروخت کھوٹوں پر بیٹھے رہتے تھے۔
یہاں سے انہوں نے ڈسٹ کر کے ایک کپڑا ایک گرم سوٹ۔ ایک نل پوت کپڑا
ایک ناک سولر بیٹ اور ایک نیلا اور کٹ کر خرید لیا۔ چھوٹی کی طرح بھڑکی ہوئی
ان جیسوں کی گھڑی اپنے کندھے سے روٹاں میں باندھی اور گیٹ گھر
روانا ہو گئے۔

اب آٹاں میں بتا دیا جا چکا ہے کہ ان کو رہنمائی شہر کے محل اور نسبت
آدمیوں کے چاندروں سے زیادہ دیکھی تھی۔ چنانچہ اگلے روز نماز فجر سے فارغ
ہو کر کچھوں کی قومی بیٹیوں و بانی امداد جیسے منہ سے
نہ شدہ چہ کی لی اور نہ مشکل کی لی

نعل گھر سے ماہ اس نے جنگل کی

وہاں ایک شگست اور دریاں مقبرہ میں جو بچکر انہوں نے اچھنیاں کھا کر
لہا رہا تھا۔ حواس بھا ہونے کے بعد مقبرہ کے بارو گر و پھر کر بچکر انہیں لفظ
وہاں کسی اور کو تو نہیں نے با قبر پر نظر ڈال کر اچھنیاں کیا کہ وہ غزوہ پرستوں
کے اندر ہے اس کے بعد چھوٹی بچے کپڑے ڈال دے اور پوت سوٹ اور اوڑھن
پہن لیا۔ سر پر بیٹ لگا لی اور اس نے ملیوس سے اپنے آپ کو بانوس کر کے
کے لئے جنگل کی غلوٹ میں تشریف لے گئے۔ وہ خواہ مخواہ روزی و ملی میں
مغروہ رہے۔ یہ عمل ایک پندرہ اور ان کا نام ہم طریق سے ان کی ڈاڑھی پر
بھی اٹھا ڈالا تو ان کا کافی دے رہا تھا۔ ہر صبح جب وہ اپنے مقبرہ والے ٹونگ
روم میں تشریف لے جاتے تو ان کی ڈاڑھی بتہ بد ساتی دن کے جوش ایک نعل
گم ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک نرواں پڑھنا ڈاڑھی کے ساتھ وہ سوٹ اور اوڑھن
پہنے بیٹ لگائے۔ رہائش کی دواوں میں یہاں سے چھپ چاہے شہر اور دوا کے
جنگلوں میں چھپ کر رہی کیا کرتے تھے۔ جہن بن باسیوں نے ان سے پوچھا تو سب
اس جنگلوں کو لے کر نونا اور شہر میں کڑیوں کی ڈال کھلوا دیا جانتے کیا ہے
جواب میں سید کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ اسی بو ڈھونڈ تول۔ یہ جواب دے کر
سید نے ایک قیبی مرد کو سوس کیا اور اس کے اندر ایک خود امدادی پیدا ہو گئی۔
یہ اس اندوہ کی رائے کا جزا تو دل رہا تھا اس سے مسجد میں کو حوصلہ
بڑھا اور اب رفت رفتہ انہوں نے جنگل کے اندر سے نکل کر جنگل کے کنارے
کھارے کو مشا مشا شروع کر دیا۔ انہوں نے زیادہ چاندروں سے دیکھی تھی۔
وہاں سے کوئی بندہ وہاں گذرنا تو اس سے بند کرنا سہہ دیکھ لیتے۔ دیکھ وانا گذرنا
تو بچے کے ناچ سے نطقت انداز ہو جاتے، خاصا کرتے دانوں سے بات کہتے

انگریزی میں کیا کرتے تھے۔ ہذا انگریزی کے جتنے الفاظ انھیں کے بعد کہیں دیکھیں ان کے رو گئے تھے۔ ان سے زبان کے کمر ہم رفتہ رفتہ بڑھنے شروع ہو گئے تھے۔ ہندوؤں کے معبود صاحب کو آنا عورت بھی ہو گیا گوشت پین کا شہرہ کے قریب آجاتے۔ جس روز وہ پکھانا روکنا سنا گئیں۔ اسی روز معبود صاحب گشت کرتے ہوئے شہر تک آئے۔ اتفاق سے ایک دیوار پر بیٹھا کھانا کھانے پر غور کر رہا تھا۔ وہ دیوار پر جنگل اور جانوروں کا بے نظیر نظم۔ آخری روز آپ ہائے جنگل اور جانوروں کے اتفاق میں معبود کے آگے ایسی بے پناہ کشش تھی کہ اشتہار کو دیکھی تو اس پرست نظریں نہ اٹھائی گئیں۔ طبیعت نوٹ پڑا ہو گئی۔ بجا بے اختیار چاہتے تھے کہ اس کم کے آخری کمرش سے عفت خدوڑ جو ہیں۔ مگر دھتے کا وقت ہوا چا جاتا تھا۔ سوٹ پہنے ہوئے شہر کے اندر گئے بیٹھائیں باہر آ کر شاہیوں کے جوہر پر بیٹھنا۔ دل کش اتفاق ہوا جس میں ہائے کا اور معبود کہہ رہے تھے بے شک اگر جنگل اور جانور میرا تاج کیمیت ہوتا تو کھانے میں ان کی مشورے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور ایک ہر لوگ کی پکار تھی تھی۔ لیکن اس وفا میں ہر لوگ میں وہ بیٹھیں اس قدر کے کار سے بھی شرم رہے تھے کہ جب وہ محل میں شہر و قوسل کا کیا نہ دیکھو توں اور گھوڑوں سے پہنچے جہاں متیاں اس وہاں سواستیاں اس اور پھر جاننے تھے کہ یہاں اختیار کیا ہے کہ آخر ایک روز تو آئے۔ جب آئے ہیں کہ تو کیا کے سامنے جان ہو گا۔ چنانچہ دل کو کیا اور حقیقتاً ٹوٹا فراسا سے کو کھینچا گیا اور کشت کا کیا ان کو کھانا جو بیٹھوں میں اٹھ کھائے اور کھینچے جاتو کرتے دانا لگے ان کی بیٹھا جو بیٹھنے میں اس آج رچا پکا اور سکر گئی ہوئی تھیں۔ فقط۔

پھٹی قسط

(از قلم بہت اور حکیم احمد قلیان)

مذاہب و مذاہب اس ہیئت کے ان میں جتنا کہ گشت گھر تک بھٹک رہے تھے ایک تو اس دن جنگل اور جانوروں کے بے نظیر نظم پر غور کر رہا تھا کہ اس سے بیٹھا دہریت ہو رہی تھی۔ دوسرے جو جنگل میں مذاہب و مذاہب کو دیکھتا۔ میں ان کو دیکھتا ہی چلا جا۔

ایک اتفاقاً آری اور وہ انواع و اقسام کے گواہاں سپاہیوں کا پرا تو جی ہاں اس قریب ہی کے ہوئے۔ لوگوں کو حیرت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا؟ اس پاس کو متغیب کرنے میں مذاہب صاحب نے جس ہیئت سے کام لیا تھا وہ واقعی قابل تھی۔ ہاں انھوں نے کی لڑی کے کسی گھر کو سر کاخوڑا تھا۔ اور چلوں کسی نوالہ فتر کی۔ مینو کی کٹ کی کٹ انھوں نے بیس کی کی ڈریکٹ پسند فرمائی تھی اور اور کٹ کسی غیر تازی رینٹ کے ان کے۔ سو ہیٹ اپنی جہاں اپنی حدود کے لحاظ سے کسی پروردگار ہنوز Harrison Engineer کی دیکھ کر تھی تھی۔ پڑاں کی کٹوں کا ان کے ان کی نوہ۔ مزاجی اس پاس میں پہلے سے نہ تھا۔

Allderson کے کات کے ان کی پڑاں کا کٹ معلوم ہوتے تھے۔ مذاہب صاحب اپنا کٹ کھانے میں دھن ہوتے ہی اٹھ کھانے کا ایک تم فطیر بھی گھر گئے۔ لیکن انھوں نے اس حجم اور لوگوں کے شور و فو کا کوئی غصہ نہ اور اپنے پاس کے انھیں اتفاق سے کھن میں ایک طرف تھیں تصور کیا اور کسی بڑے جاری

جو کہ بڑی ملک اس پر مغرب کی محبت گھر سے انگوٹوں کے شہزادوں کو جواب کی کیفیت
 ہی شکر و است اور گریں کی نہیں سے دیتے ہوئے ٹکٹ گھر کی طرف بڑے چلے گئے
 ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے سامنے ایک کافر مغرب نے تماشے کی کٹ لٹی کی طرف دیکھ کر اس
 طرح حائل غم و غم کیا جیسے کوئی بہت بڑا ہجوم براہ منظر کی گردش درستوں کی رفتار
 کو سب کا سامنے ٹکٹ کی فتح چارکست سے کرکٹ روٹے ایک کھلی گڑبڑا سنے
 سے اوپر کے قلم درجوں پر دو آسنے کی دو پیہ کے صاب سے ٹکس کی آسنے کی
 لڑائی تھی بہت ہی غمزدادوں کے بعد مغرب صاحب نے تپو پر پہنچ کر کسٹنڈر کو
 کاغذ دے کر ٹکٹ کی قیمت مسترد چاہی مقرر کر دیکھیں کسی حکمران کو یہ حق نہیں
 پہنچتا کہ وہ مغرب کی ذاتی مسرتوں پر ٹکس مقرر کرے اس کے نتیجے میں وہ
 ٹکٹ فری یا تپ *free ticket* ٹکٹ ٹکس اور ان کا ٹکٹ ایک کھلی
 غامض اور غلطی پر ہے۔ اس غمزدادوں نے ہی غصہ کیا کہ وہ چاروٹے ٹکٹ فری
 گئے اس قدر حق کے کچھ پر وہ مغرب صاحب کی غیبت کی قیمت اور ان کی
 غصہ کی بستی تھی وہ نہ کہاں ٹکٹس جیسا شکل مسترد کیا وہ مغرب صاحب کا غصہ
 علم آؤ گھر انھوں نے اپنی غیبت سے ایک میلہ مارا ہونہ کلا اور اس سے
 فری تپ جان ہی کے اس ایک جاتی ناخن کی ڈکٹ خریدنے کے لئے آئے تھے جس سے
 چوٹی کا غمزدادوں نے ٹکٹ گھر کے باؤ کے سامنے اس زور سے چیخا کہ وہ پھر اس
 دھب و داب سے ٹکٹ طلب کیا کہ علوم ہونا تھا کہ وہ سامنے کا سامنا سنبھالا
 ہاں دیکھو کہ کہہ رہی ہیں۔

فریق ٹکٹ سے کردہ راز گھر کے آوارہ راز کوں اور او باغش آؤ گھوٹوں کے
 دھم پر جیسے لپکا لپکا کرنے کے درجے کے دروازے ٹکٹ چاہیے پھر وہ راز
 کا پردہ چاکر وہ سنبھالیں یہ کچھ اس شان سے داخل ہوئے جیسے کوئی

عظیم شان و آفاق اپنے محلے کے ہونے شکر کے دروازے کا غمزدادوں اہل ہوا ہے
 جب مزاحیہ سنبھالیں میں چوٹے کو ایک ڈیڑھ لپکا لپکا کچھ کر سنبھالنے انگوٹوں
 نے اپنے تماشے کی بی بی کی کوئی نیا طریقہ نکالا ہے اور اس میں غمزدادوں کے تماشے کے
 کسی کچھ کرکٹ گھر کا سامنا کرکٹ گھر کے کچھ کرکٹوں کی کھلی کھلی ہونے کے سنبھال
 میں سمجھ رہا ہے۔ مغرب صاحب پرانے کے کرکٹوں کی کھلی کھلی ہونے کی کھلی کھلی ہونے کی
 ہے یہ لوگ تو انھیں چہرہ زور دے چکے تھے۔ اگرچہ ایک کوفی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا
 تھا سو چلے گئے کہ وہ نہ ہو ساری برکت اگر بڑی لباس کی ہے۔ انھوں نے ان
 ہی دل میں عیب کر دیا کہ کچھ ہی وہ پھر اس کی کھلی کھلی ہونے کی کھلی کھلی ہونے کے اور ایک
 اس سے بھی زیادہ کھلی کھلی لباس فری ہونے کے۔ مغرب صاحب پرانے کی کھلی کھلی ہونے کے
 میں وہ گھر میں ہی اور کوٹ پہنچا اور وہ *Harrison Engineer*
 کا سوا ہیٹ لگا کر سب سے آگے کی صفت میں پہنچ گئے۔ ہاں وہ اس بات پر غور
 کرتا ہوں ہے کہ کچھ سے کچھ انسان لپکا لپکا ہوتے ہو تو ان سے کچھ ہی کھلی کھلی ہونے
 ٹکٹ فری کر سنبھالیں وہ نہایت پیچھے نہیں وہ شخص کر رہے تھے کہ اس بات کو اپنی غمزدادوں
 کی دلی گھسیٹ انھوں نے چاروٹے کا ٹکٹ فری اور چوٹے آگے بیٹھے۔

اب تماشے شروع ہوا۔ انھوں نے سنبھالنے کے پردے پر اپنی نظریں ڈال دیں۔
 جیسا کہ چپے بیان ہو چکا ہے۔ ٹکٹ اور غمزدادوں سے مغرب صاحب کو شہر و آسویں
 کی بہت زیادہ دلچسپی تھی اس سے ٹکٹ اور غمزدادوں کو یہ وہ منظر پر پہنچتے
 بہت ہی قریب آکر وہ داخل *Home* لپکا لپکا ہو گئے۔ مغرب صاحب ٹکٹ اور
 غمزدادوں کے اس تماشے کو دیکھنے میں ایسے غمزدادوں کے کان کی انھیں خود بخود
 پھیلنے لگیں اور راحت و اطمینان کے لئے جیسے جیسے سامنوں سے ان کی آنکھیں کھولنے
 لگی۔ ان کا سر ان کے سوا ہیٹ کے ذریعہ اپنے رخ کے چھٹی ہاں کا سببا لے کر

منا شک کے کاتب کہنے لگا جتنا کہ بد وہ لوگ شیر کو ایک گھنے جنگل سے لکھے ہوئے دیکھا وہ اس قدر خوش و خوشن ہوئے کہ ان کی قوت باطن پورے سے زیادہ تیزی سے کام کرنے لگی اور اس نے اپنی استعداد کا عرصہ نہایت مختصر ایک عدد کو ایک شکل میں چٹکا کر اپنا پارہ اتنے میں شصت دہائی شروع کیا مگر صاب فیر کی وجہ سے لکھائی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے بھی اس انداز خود سے لکھائی کہ ان کے بارہ گروہ پیش ہوئے تانٹان یا فیصلہ نہ کر سکا کہ کیا خیر و امان ہے یا مرنے والی ٹوکرا دے رہا ہے۔

نئے میں جنگل کے گہاں درختوں میں سے ایک اچھی جگہ اور اس نے جنگل کا شروع کرنا مگر صاب نے بھی جو آب ان ہانوروں کے ساتھ زیادہ سے کھفت ہو چکے تھے ایک جہان کی اور وہانی کے ساتھ اگر لائی بھی ان کے بدن کی اس عیسوی فن کش کے ساتھ ساتھ خدا ہونے ان کے دل میں کیا سمائی کہ انھوں نے بھی اس اچھی کی عیسوی جنگل کا شروع کرنا یہ سب تماخانی چھنے لگے۔

مڑا جی اپنے اس کمال پر بہت جی اناؤں ہوئے اور خود بھی چھنے لگے یہ ہنسی ایک متعدی درخت کی طرح سینا پانی میں پھیل گئی۔ یہ خداوند سید ال کے کس میں اچھی تھیں۔ وہ ابارہ یہ شروع کرکے جہان پوری تھیں جو اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمارے کے دھپے میں جو س منٹ کے بعد ایک شروع و ختم کا پرابہا ہوتا ہے۔ ان کے دھم و گمان میں بھی یہ بات نہ سکتی تھی کہ اس کلام کی پیروی کو کر کر دینا کے شرعی شوہر مڑا سید بیگ ہیں۔ مگر خدا خدا کو کے خاصہ ختم ہوا اور سب لوگ سینا بال تباہ ہو گئے۔ صاب نے یہ جاننے سے کہ خود تیزی اور تھرم وادہ تھیں اس بعد کو کھٹ جاتے تھے۔ برقع پوش عورتوں کو دیکھ کر لوگ چٹائی کے آواز سے کہتے ہیں۔

مخفی تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ریحانہ اور صاب بھی اہل سے باہر نکلیں۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئیں کہ جہانوں سے سینا بال کچھ بھلا ہوا تھا صاب کے سب سینا بال کے دروازے پر گت ہیں اور باہر نکلتے گا وہی راستہ ہی نہیں۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ پیس کے سپاہیوں نے ایک عجیب و غریب وضع کے انسان کو بکڑیا کر لیا ہے اور وہ اس کے بدن کو قیلا ڈالے آتے سینا بال کے اندر جا رہے ہیں۔ ریحانہ اور صاب نے بھی آگے بڑھ کر اس عجیب شخص کو دیکھنے کی کوشش کی مگر صاب کو چاہا کہ ریحانہ کی پیچ لگ گئی۔ صاب نے یہ چاہا کہ اس کو خود نہ دیکھے۔ ریحانہ نے اپنے غصہ کو دباتے ہوئے کہا کہ یہی تو ہیں۔ صاب نے شوہر مڑا سید بیگ۔

صاب بیگ ہوش۔ ریحانہ کو صاب اپنے ہی مکان پر سے آئی اور کوشش کرنے لگی کہ کسی طرح اس کا دل پیلائے۔ مگر ریحانہ کے دل کی اس وقت کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ اس کی آخری امید کی شے ختم ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے غلط فہمی کا آخری پردہ ہٹ چکا تھا اس کے دل پر ایک ندامت نے حقیقت اپنی چوڑی اختہ ت کے ساتھ روشن ہو چکی تھی صاب کہ اس کو اس جگہ مڑا سید بیگ اپنے دل سے قطع اسے غور پر غور سے دل دھپنے کے بعد اس قدر طبع مہذب اور ناخوشگوار انسان ضرور ہے کہ مگر آج اس نے دیکھ دیا کہ کیا کہ ایک کنوڑا ناخوش چہرہ دہن کیا جاسکتا ہے۔ اس کو کہیں با اچھی دانت نہیں جلا جاسکتا آج اس کو معلوم ہوا کہ ایک ایسے مڑا سید بیگ کے پاس سے اتنی نفرت نہ آتی تھی نفرت اس کو ان کی نفرت تھی۔ اس کو ان کے ذہن میں مخالفت سے اتنی نفرت نہ آتی تھی نفرت اس کو ان کی جہنم نہ تھی۔ اس کو ان کے پیچے دروازے ان کے کھول کے سے عاتے ان کی سوانی کو اند اور ان کے غم سے آئے ہوئے عورتوں سے

انہی غریب نہ تھی۔ جتنی غریب تھے ان کے شہرہ جو نے دماغ اس کے گنہ سے دل اند
اُنکے خلعت ہے اُسے جو نے غریب اہانت سے ملتی۔

وہ ایک زخمی خیرین کی طرح چلا آئی۔ تو کیا سب کچھ اپنی ساری زندگی اس
مردوں کے ساتھ گزاری ہوگی۔ زندگی جیسی تھی جیسے کہ اس غول پرانی کی چھوٹ
پر جینٹ برٹا ناچا گا۔ کیا کوئی ایسی طاقت نہیں جو مجھے اس زندہ طاقت سے بچھڑانے
کی تھاری کی بھی کہیں ہیں کہ اس کا ایک فقیر میری زندگی کی خبروں میں سناؤں کہ نہر
کی طرح آو اس اور یہ سب بتا دے۔

سلسلے کا دارا اور علی صاحب ساتھ ہی کے کوسے میں کھانا کھا رہے تھے۔
انہوں نے یہ یاد کی دینی تھی کہ میری جہان فریاد بخشی تو ٹھہر گئے۔ بہت سی باتوں کا ان
کو پہلے ہی سے علم تھا۔ اب یہ جاننے کے ان نہر میں بیٹھے جو نے غریبوں کو کھانا
سب کچھ کھاتے۔ نوراً ہاتھ دھو کر سلسلے کے کوسے میں آئے۔ یہ جاننا کہ وہ بھی انکی طرح
کھاتے تھے۔ یہ جاننا کہ ان سے کوئی پردہ نہ تھا۔ وہیں صاحب نے دیکھا کہ یہ جاننا
کی آنکھوں سے آسو جاری ہیں، اور وہ ایک گھاس جڑا کی طرح تڑپ رہی ہے۔
انہوں نے یہ جاننا کہ وہ لاساویچے کی کوشش شروع کی گلاس کوشش میں
ان کی اپنی آنکھوں میں آنسوں چلتی تھیں پھر وہ سنبھل کر بے۔ یعنی مذہب میں
بہت بگڑ گئی ہیں۔ مگر یہ مذہب کی باتوں سے تانہ نہیں اٹھاتے۔ ہم خود اپنے تپ
کو ساری کی خستوں میں گرفتار کرتے ہیں، اور مذہب کو بڑا کہتے ہیں۔ میں مذہبی
معیشتوں سے واقف ہوں۔ میں تمہارے لوگوں کو جانتا ہوں۔ میں نے تمہارے
مردم ہا میں کو کتنا سہا یا کروہ باز نہ آئے۔ میں نے اس کے بعد انہیں آنکھوں
سے ہاتھ لائی کوشش کرنا بھی پھر اپنے اندر حیات نہ پائی۔ میں تمہاری ماں کی
خند سے جیسے وہ فرات کے نام سے پکارتی ہیں۔ خوب واقف ہوں میں تمہاری

ماں کی تواسم پر کسی کو چست وہ غاڈائی و شعوری کہہ کر پکارتی ہیں۔ خوب
بچھا تھا ہوں لیکن اب تم کو یوں تر چاؤ کھکر ایک مصدوم لڑکی کو یوں پکستا
دیکھ کر کچھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ مذہب کے لوگوں کا طلاق مذہب ہی کی پکایا
ہے مذہب کیا ہندوؤں سے مذہب ہی آننا کر سکتا ہے۔ مذہب کے نام پر کئے
جو نے نظام کھانساں کو کوئی طاقت رکھتی ہے تو وہ مذہب ہی کی طاقت ہے۔
شور اسلام نے عورت کو بہت بڑے حقوق عطا کئے ہیں۔ معاشری زندگی
میں اسلام نے عورت کو مرد کے برابر کر دیا ہے، پھر اگر تم خود مردوں کو اس بات
کی اجازت نہ کرو کہ وہ اپنے حقوق کا ناجائز فائدہ اٹھائیں۔
اور مردوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیں تو اس اسلام کا کیا تصور ہے۔
مذہب کا کیا تصور ہے۔

شور اسلامی قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کوئی لڑکی جس کا نکاح
اس کے باج ہونے سے پہلے اس کے والد یا کسی دوسرے ولی نے اپنی مرضی سے
کر دیا ہو وہ باج ہونے پر اس نکاح کو اپنی مرضی سے ختم کر سکتی ہے خواہ وہ اس
عرصہ میں غاڈندے کے گھر آباد بھی رہ چکی ہو۔ خواہ وہ بچوں کی ماں بھی بن چکی ہو۔
اس کے علاوہ اسلامی قانون ازدواج تمہارے اور میرا مسجد بیگ کے نبی
بہت سے کردہ اخلاعات حامل یا ہے۔ جہاں بنا پر تم کو طلاق کا اختیار ہے۔
ایک نازک شیشہ کو ایک گرفت تمہارے ساتھ نہیں جوڑ سکتے۔ رخم کے ایک
نور ہائے کو سن کی دہی کے ساتھ نہیں بہت کھینے۔ اٹ کی گڈری پر نہ رہت
کو بچہ نہ نہیں لگ سکتا۔ ایک انسان کو ایک عورت کے ساتھ ایک ہی عجب
میں بند نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جاننا کہ میرا مسجد بیگ کی چوٹی جینے کی اجازت
نہیں دی جاسکتی۔ میں ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے قانون کا فائدہ ہوں،

تھامے مروج باب کا درست ہونے کی حیثیت سے تھا۔ اولیٰ اور سرپرست
ہوں۔ میری آنکھوں کے سامنے اسلام کے نام پر ایک سلاخی لڑکی پر چٹلم
ہیں ہو گا۔ میں اس کی سچا ہی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اپنی فریادوں سے
سوتے ہوئے انھیں کو بچاؤ لٹھاؤں گا اگر میرے ہندوستان کو یہ بڑے بڑے سکاکرہ
عورت خات کے حقوق کو پیچھے نہ توڑ بھی۔ مسلمانوں کو آنا پڑے گا کہ وہ میں
قانون کے مطابق صلح کا عہد نامہ تھے ہی اسی قانون کے مطابق اس عہد نامہ کو
کیوں نہیں سمجھتے۔ یہ زمانہ طلاق ایک مکروہ چیز ہے۔ مگر یہ عدالت اور درکار کا نام
نہ ہو سکے تو عدالت ایک برکت ہے۔ یہ زمانہ ایک برکت ہے۔ یہ زمانہ۔ تم کو اس
نذرانہ صفت سے بچانے کا ایک ہی طریق ہے۔ یہ زمانہ طلاق ہے۔

راج صاحب کی عدالت تمام خانیوں کے جوہر سے بھری ہوئی تھی۔ احمد علی
صاحب وکیل و بھادو کو ساتھ لے کر بھادو کے حق نفع کو عدالت میں ثابت کرنے کی
کوشش کر رہے تھے۔ سامنے مزار مسجد بیگ بھی لیٹے وکیلوں کو ساتھ لے ماسٹر
تھے۔ آج وہ اس جرم کے مطابق جو انھوں نے اس حالت میں نہیں اپنے دل
سے کیا تھا۔ پہلے سے کلی زیادہ مشاغلہ لباس میں لباس تھے۔ انھوں نے
پلوں کیلئے دانوں کا لباس پہنا ہوا ایک بوٹ پہن رکھا تھا۔ جس میں وہیں جگہ
جہیز کے زخموں کے سوراخ تھے جو کہ انھوں نے اس بوٹ کا ایک کپڑی
کی ڈکان سے خریدا تھا۔ اس نے ایک ایسی بوٹ پہنا جہیز تھی۔ دوسری جہیز بھادو
کوشن بھادو دستا بہ نہ ہو سکی تھی۔ سوا ہیٹ تو وہی تھا مگر اس کی گڑبڑ میں
کسی فوجی انٹر کی کچھ داغی کچھ پر لگنے کی کوشش کی گئی تھی۔ جو کہ کسی اور پرندہ
کے پرندہ کی گڑبڑ سے پہلے پہلے دستا بہ نہ ہو سکتے تھے اس نے انھوں نے
غور سے گہرے کے درپار کے لیے پہنے ہوئے لایٹ کی گڑبڑ میں آؤں گے تھے۔

آگاہی کے دن پہ دو ٹکڑے اور کوٹ نہیں تھا بلکہ کسی فوج کے مروج فٹڈ اسٹر
کال اور کوٹ تھا۔ جس کے سینے پر بے شمار شہرے ہیں اور شہرے میں کے
تھتے تھے۔ چٹلون جو کہ یہاں میرے آگاہی تھی اس نے انھوں نے خود ایک بھائی
بتلوں پر وہاں طرف تھی میں ٹکڑے لای تھی ان کے ایک ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا
تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک بھاری سی پتھری۔

مزار مسجد بیگ کو کال میں تھیں تھا کہ ان کو اس شاندار لباس میں دیکھ کر
کوئی عدالت بھی یہ زمانہ کی خوشی کے مطالعے کو نامعلوم کر سکے گی۔ مگر راج صاحب
نے احمد علی صاحب وکیل کی بحث کو سمجھنے کے بعد مزار مسجد بیگ سے یہ سوال کیا
کہ تم ایک عہد نامہ نہیں اور تم بھی لڑکی کو بھولی بھالے کا کیا حق رکھتے ہو۔
تو مزار مسجد بیگ غصہ اور باجوسی کو ضبط کر سکے۔ کہہ تو اس غصہ اور باجوسی
کے اظہار کے لئے اور کہہ اپنے عملی تجربے کو جس میں ایک دستہ راج کر پڑے۔ تاہم وہ فوج
راج صاحب سے تھے ہی نہیں باجوسی کا کشیل کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ غدار
کہو اس بدترین کو اور پھر احمد علی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "میں آپ کی
موکو کی درخواست پاس کا کھنکھانے کا کہوں گا کہ اس کے دلی نے آپ کی موکو
کے سین لیوٹ سے پہلے اپنی مرضی سے اپنے بیٹے مزار مسجد بیگ سے گروا لیا۔
اور اس کے علاوہ مزار مسجد بیگ کو جنگ عدالت کے جہیز میں ایک داغید کی
سزا دی جاتی ہے۔"

یہ فیصلہ سننے ہی مزار مسجد بیگ "ٹھیکہ داران" کے شیر اور باجوسی کی طرح
دھاڑنے اور جھنجھٹانے لگے۔ یہ زمانہ نے عدالت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ
اگر مزار مسجد بیگ اس قدر بدترین و بدترین نہ ہوتے تو وہ ان سے علیحدگی
پاسند نہ کرتی۔ اس نے عدالت اپنے راج کو کام میں لاکر ان کی اس بدتمیزی کو

صاف کر دے۔

راج صاحب نے ریحانہ کی درخواست پر مرزا سید بیگ کو صاف کر دیا۔
مرزا سید بیگ عدالت کے کمرے سے چونک کر بکشت اس دہریہ غریب
کی طرف بھاگے۔ جس کو جنگل میں آٹھ گھنٹے تک دو روز گزارنا تھا۔
اسی شام کو ریحانہ اور سید بیگ سہیلیاں گئیں مگر ان کے ساتھ سید بیگ
عمود بھی تھا۔ عمود اور ریحانہ کے چہرے پر ایک نئی خوشی کی روشنی ایک نئی
امید کی چمک تھی۔ سینا سے باہر آفتاب غروب ہوا تھا۔ مگر سینا کے اندر
ریحانہ اور عمود کی گونا گوں ایک سنگھٹوں اور مسرتوں سے بھرپور زندگی کا آفتاب
طلوع ہوا تھا۔

دوسرے روز سید بیگ اس دہریہ مقبرے کی تاریکی میں ایک مسافر قہر
کی آغوش میں بیٹھے ہوئے پیرزادہ غلام صاحب کے قہقہے ہونے بجلی عمل میں
مسرور تھے۔

کرتب خانہ علم و ادب کی دیگر طبوعات

ناول

پہلی دہری۔ از اشرف شریفی قیمت دو روپے آٹھ آنے
سلطان احمد کا دور۔ دو روپے
نیرنگ
دو شہر و صحرار۔ از صادق الخوری نام۔ اسے دہری۔ قیمت دو روپے
جہاں آباد۔ از ظفر قریشی بی۔ اسے دہری۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے
عقبت۔ از قیس نام پوری۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے
بھائی جان۔ از فضل حق قریشی دہری۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے
قاؤسٹ۔ از خاں احمد بی۔ اسے دہری۔ قیمت دو روپے
کھڑا پیار۔ از عظیم بیگ چشتی۔ قیمت ایک روپہ آٹھ آنے
قہقہے ہونے پر۔ از انیسیل جبران۔ نیرنگ
ایسا سہل۔ از سلطان احمد چوہدری
مرقاۃ المصنوع۔ از مولوی خدیو احمد ایک روپہ آٹھ آنے
نبات انش۔ ایک روپہ آٹھ آنے
توبہ النصوح۔ ایک روپہ آٹھ آنے
لاہور۔ ل۔ احمد دو روپہ آٹھ آنے
قد جہاں ستار۔ ایک روپہ آٹھ آنے
انسانے
تجلی کمال۔ از پریم چندی قیمت تین روپے

اشرف شریفی بلک کتب خانہ علم و ادب دہلی نے طبعی پچھلی انگریزی اور اردو کی

شکت نامہ سات مشہور ادیب قیمت تین روپے
 محمود کے از اشرف مہتوی زیر طبع
 طبع انجمن انصاف انجمنی ایم اے دہلوی قیمت دو روپے
 حسن پوش از انجمن گوکھلے دی قیمت ایک روپہ آٹھ آنہ
 گرد و غش قیمت ایک روپہ
 رقابت از ایم اے قیمت ایک روپہ آٹھ آنہ
 قطرہ کی ستم ظریفی قطب عالمی دس آنے
 دکن کی بری ناصر نذیر فراق دہلوی قیمت چار آنے
 دلی کا آجڑا ہلال قلوب چار آنے
 تیسگوں کی پھڑ پھڑ چار آنے
 خواب و خیال از مولوی عابدیت عسکری ایم اے دہلوی قیمت چار آنے
 ایک کہانی جی مشہور بیرون کی زبان قیمت آٹھ آنے
 انام و عوت کا خط از ظفر رحیم بی اے دہلوی چار آنے
 عشق کی گولیاں از مرزا محبت بیگ سلطان مہدیوش قیمت چار آنے
 انکشاف حقیقت صادق انجمنی ایم اے دہلوی قیمت چار آنے
 حاشیہ پر کشادہ از ناکارہ حیدر آبادی قیمت چار آنے

سیاست

سلطان ہند کی حیات سیاسی از محمد مرزا دہلوی قیمت ایک روپہ آٹھ آنہ
 دوسری جنگ عظیم دو روپے

مزاحیتہ

تہ پر کی از انوارہ زیر طبع
 کائنات بہت از شوکت قاضی

منظم

سلاسل از جہان نثار مختار قیمت ایک روپہ چار آنے
 دیوان حالی از حالی ایک روپہ آٹھ آنے
 گہوارہ تبسم ظریف دہلوی چار آنے
 طوفان غلغلہ از سرانہ الدین احمد دہلوی زیر طبع

تنقید

مرقعہ شعر و شاعری از الطاف حسین قیمت ایک روپہ آٹھ آنہ
 انسان چہی از مولوی افتخار الدین دہلوی ایم اے قیمت ایک روپہ
 بچوں کے لئے

رقی ہر دو جہتہ از مولوی عابدیت عسکری بی اے زیر طبع
 سکت طلاقوں کی کہانیاں از ناصر نذیر فراق دہلوی قیمت چار آنے
 ترکی شہسوار بلقیس بیگم چار آنے
 دو جوں کے مک میں از اشرف مہتوی زیر طبع
 صبر و شہامت از اشرف مہتوی قیمت تین آنے - نقل شہزادہ از اشرف مہتوی
 شہزادہ ملکہ چاند مرزا مصفا حسین شہزادہ ملکہ ۳
 مصفا حسین فراق از حکیم خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی قیمت ایک روپہ
 بچوں والوں کی تصویر از مرزا محبت عسکری چھ آنے